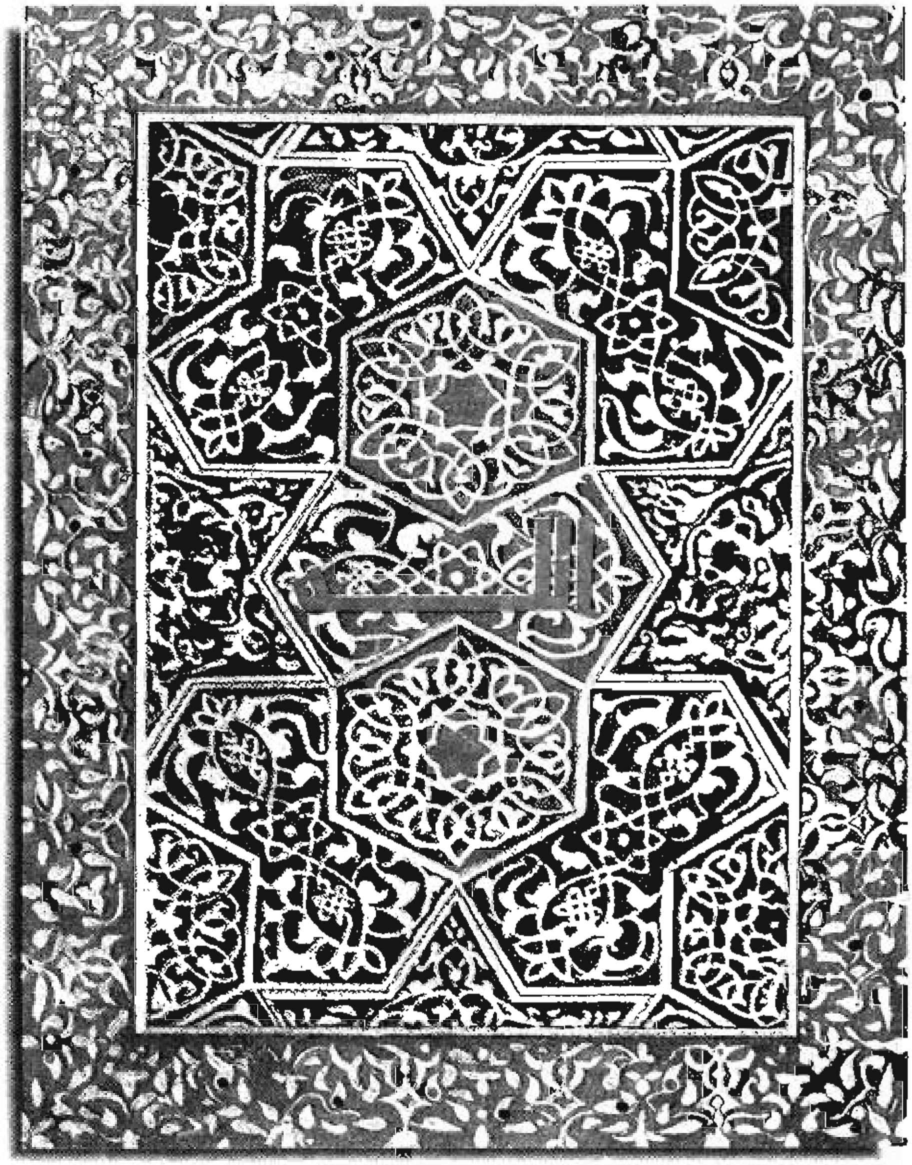
ماہنامہ

ترجمان القرآن

مُدیر

خورشید احمد




MALL ROAD
BUS STAND
SUNNY BANK
LOWER MALL
KULDANA
SITE
GPO
TAXI STAND
80 FT WIDE HIGHWAY
(PROPOSED)
KSHMIR POINT
STATE GUEST HOUSE
SHIFANG RESTAURE
MURREE IMPROVEMENT SCHEME
JHK GAL
MOSQUE
تکمیل شدہ اور
زیر تکمیل پانچ ہاؤسنگ سکیموں کے بعد
مری کی سرسبز و شاداب اور پرفضا
خوبصورت وادی میں ہمارا نیا منصوبہ
مال ویو اپارٹمنٹس
مال روڈ مری سے پیدل پانچ منٹ کی مسافت پر تین بلاک پر مشتمل عظیم الشان منصوبہ
پچاس فٹ چوڑی گلی روڈ اور مال کے اختتام پر مری کی اپارٹمنٹ کی سکیم ہے
اعلیٰ کوالٹی کا تعمیراتی میٹریل ایلومینیم کی کھڑکیاں گلیزڈ ٹائل ٹھنڈا گرم پانی خوبصورت کچن تمام جدید سہولیات کے ساتھ
کشادہ ہوادار کمرے ہر اپارٹمنٹ سے خوبصورت وادی کے مناظر کا نظارہ ہر بلاک کی اونچائی صرف تین منزل دو منزلوں پر زمینی راستہ
قیمت و رقبہ
تعمیر شدہ رقبہ 1050 مربع فٹ قیمت 10 لاکھ 80 ہزار روپے
31 مئی 1997ء سے پہلے بکنگ کرانے پر 30 ہزار روپے کی خصوصی رعایت
پمفلٹ مفت منگوائیں
اے بلاک مکمل اور بی بلاک میں بھی صرف تین فلیٹ باقی ہیں
مکمل منصوبہ 110 فلیٹ کا ہے پہلے آیئے پہلے پایئے کی بنیاد پر بکنگ جاری ہے
بکنگ کے لئے 1 لاکھ روپے باقی رقم ماہانہ 12 اقساط میں
احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور
بٹ ہاؤس 1-اے فیض روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور فون: 5865371-5869549 فیکس: 5837016

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مدیر : خورشید احمد — نائب مدیر : مسلم سجاد

جلد ۱۲۴ — مئی ۱۹۹۷ء، محرم ۱۴۱۸ — عدد ۵

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور ۵۴۵۷۰

فون : ۷۸۴۳۶۰۵

فیکس : ۷۸۳۲۱۹۴

انتظامی امور

۵ ۔ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون : ۷۵۸۷۹۲۶ ۔ ۷۵۸۵۵۹۰

☆

قیمت فی شمارہ ۱۵ روپے

زر سالانہ ۱۵۰ روپے

مشرق وسطیٰ ۵۵۰ روپے

بنگلہ دیش، مسقط ۴۵۰ روپے

بھارت ۳۰۰ روپے

یورپ، مشرق بعید ۶۵۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۰۰ روپے

بنک ڈرافٹ

بنام ماہنامہ ترجمان القرآن ارسال فرمائیں

۶۰ سال پہلے

کئی مہینے سے پرچہ مسلسل تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ خریداروں کی شکایات جس قدر بڑھتی جاتی ہیں میری شرمندگی بھی اسی قدر بڑھ رہی ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ تاخیر کے جو اسباب ہیں' ان کا علاج میرے اختیار میں نہیں۔ تاوقتیکہ رسالے کے ہمدرد اور قدر شناس میری اعانت نہ کریں' میں ان مشکلات کو دفع نہیں کر سکتا جن کی وجہ سے اس کی زندگی خطرے میں پڑ گئی ہے۔ اگر یہ کوئی تجارتی رسالہ ہوتا اور میں نے اپنی ذاتی غرض کے لیے اس کو جاری کیا ہوتا تو بلاشبہ اس کو چلانے یا نہ چلانے کی ذمہ داری تمام تر میری ذات پر ہوتی۔ قوم کو یہ کہنے کا حق تھا کہ ہمیں تمھاری مشکلات سے کیا بحث۔ چیز اچھی دو گے اور وقت پر دو گے' خرید لیں گے' نہ دو گے نہ خریدیں گے۔ لیکن شاید یہ بات میں کسی خود ستائی و استکبار کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ ترجمان القرآن سے میرا کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں' بلکہ پوری قوم کا مفاد وابستہ ہے۔ گو اپنی حد تک میں اپنا فرض سمجھ کر ہی اس کو چلا رہا ہوں' اور اپنے آپ ہی کو اس کا ذمہ دار سمجھتا ہوں' مگر کم از کم مجھے یہ کہنے کا حق تو ضرور ہے کہ جس طرح اس خدمت کو انجام دینا میرا فرض ہے' اسی طرح مجھے اس کی انجام دہی کے قابل بنانا قوم کا بھی فرض ہے۔ میں اپنے ان دوستوں اور ہمدردوں کا دل سے شکرگزار ہوں جنھوں نے رسالے کی اشاعت بڑھانے میں میری مدد کی ہے۔ لیکن محض چند افراد کی کوششوں سے کیا ہو سکتا ہے۔ ضرورت تو اجتماعی کوشش کی ہے۔ اب ایسا وقت آگیا ہے کہ اگر اس پرچے کو زندہ رکھنا ہے اور فی الواقع اس کی زندگی کی کوئی ضرورت محسوس کی جاتی ہے تو اس کے تمام ہمدردوں کو خاص طور پر توسیع اشاعت کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ آیندہ پانچ مہینوں میں اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ ہونا ہے۔ اگر خریداروں کی تعداد میں کافی اضافہ نہ ہوا' تو میں عرض کیے دیتا ہوں کہ محض ساڑھے تین سو خریداروں سے اس معیار کے پرچے کو چلانا میری قدرت سے باہر ہے۔

(ابوالاعلیٰ مودودیؒ)

(ترجمان القرآن' اشارات' جلد ۱۰' عدد ۳' ربیع الاول ۱۳۵۶' مئی ۱۹۳۷ء)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

سود کی لعنت سے نجات: اصل رکاوٹ

خورشید احمد

اس بارے میں دو آرا ممکن نہیں کہ مسلمان معاشرہ اور سودی نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور یہ دونوں بیک وقت پنپ نہیں سکتے۔ ایک کا وجود دوسرے کی نفی ہے' ایک کا غلبہ دوسرے کے لیے پیغام موت ہے۔ یہ دو برسرجنگ تصورات ہیں جن میں کوئی سمجھوتہ ممکن نہیں۔ جن افراد اور جن معاشروں پر سودی نظام کا غلبہ ہو وہ حقیقی مسرت اور خوش حالی سے ہمیشہ محروم رہتے ہیں اور ان پر خالق ارض و سما کی برکتیں کبھی سایہ فگن نہیں ہوتیں۔ وہ معاشرے ھل من مزید کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور انسان انسان کا غم خوار اور دم ساز ہونے کی بجائے ایک دوسرے کا خون چوسنے اور حق مارنے میں مشغول رہتا ہے اور اس کو معاشی کامیابی سمجھتا ہے جب کہ قرآن ایسے افراد اور معاشرے کی مثال اس شخص سے دیتا ہے جسے شیطان نے چھو کر مخبوط الحواس کر دیا ہو (كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ۔ البقرہ ۲:۲۷۵) اور جن کے خلاف خود اللہ نے اپنے اور اپنے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ کیا ہو (فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ البقرہ ۲:۲۷۹) وہ فرد اور معاشرہ کیسے چین کی زندگی گزار سکتا ہے جو مسلسل اللہ اور اس کے رسولؐ سے برسر جنگ ہو۔

سود کی قباحت اور ہولناکی کے بارے میں اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو انداز بیان اختیار فرمایا ہے اس کے بعد کسی صاحب ایمان کے لیے یہ گنجایش نہیں کہ وہ ایک لمحے کے لیے بھی اس قاتل ایمان و ضمیر و اخوت کو گوارا کر سکے۔ حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ سود اتنا بڑا گناہ ہے کہ اگر اس کو ستر اجزا میں تقسیم کر دیا جائے تو اس کا ایک ہلکے سے ہلکا جز اس گناہ کے برابر ہو گا کہ ایک آدمی اپنی ماں کے ساتھ زنا کا مرتکب ہو۔ العیاذ باللہ (ابن ماجہ' بیہقی)۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سب سے سچے انسانؐ نے فرمایا کہ جو آدمی سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ کماتا ہے اور بعض روایات میں ہے

کہ جو گوشت مال حرام سے بنا ہو اس کے لیے آگ ہی زیادہ مستحق ہے (مسند احمد و طبرانی) نیز حضورؐ نے فرمایا کہ جب کسی بستی میں بدکاری اور سود پھیل جائے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دی (مستدرک حاکم) اور یہ کہ جب کسی قوم کے باہمی لین دین میں سود کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو ان پر دشمنوں کا رعب و غلبہ حاوی ہو جاتا ہے (مسند احمد)۔ اگر آج ہم بصیرت کی نظر خود اپنے اردگرد ڈالیں اور اپنے ملک کی حالت کو دیکھیں تو مخبر صادق کی پیش گوئی ہمیں سو فی صد درست نظر آتی ہے اور اہل ایمان کو توبہ اور رجوع الی اللہ کی دعوت دیتی ہے کہ صرف یہی نجات کی راہ ہے!

سود کے بارے میں پاکستانی قوم کے جذبات اور اس کی قیادتوں کے رویے میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی۔ قائداعظمؒ نے پاکستان کے اسٹیٹ بنک کے افتتاح (جولائی ۱۹۴۸) کے موقع پر جو تقریر کی تھی اس میں سود سے پاک مالیاتی نظام کو قائم کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ ۱۹۵۶ کے دستور سے لے کر ۱۹۷۳ کے دستور تک ہر ایک میں سودی نظام سے نجات کی خواہش کا اظہار کیا گیا ہے۔ اسلامی مشاورتی کونسل ۶۵۔۱۹۶۴ اور ۱۹۶۹ نے بار بار اس امر کا اظہار کیا کہ سود کو اس کی ہر شکل میں ختم کیا جائے اور متبادل نظام قائم کیا جائے لیکن برسراقتدار طبقوں نے اس طرف کوئی پیش رفت نہیں کی۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ کو اسلامی نظریاتی کونسل کو سود سے پاک نظام مرتب کرنے کا کام سونپا اور کونسل نے ۱۵ ماہرین معاشیات و بنک کاری کے تعاون سے نومبر ۱۹۷۸ میں اپنی عبوری رپورٹ اور جون ۱۹۸۰ میں مکمل رپورٹ پیش کی۔ انھی رپورٹوں کی روشنی میں جنرل محمد ضیاء الحق نے ۱۰ فروری ۱۹۷۹ (۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ھ) کو تین مالیاتی اداروں کو سود سے پاک کرنے کا پہلا عملی اقدام کیا جس پر یکم جولائی ۱۹۷۹ کو عمل ہوا۔ ۱۹۸۰ سے دوسری اصلاحات کا آغاز کیا گیا جو لشتم پشتم ۱۹۸۴ تک جاری رہیں۔ اس زمانے میں سودی نظام کے علم بردار (ملکی اور غیر ملکی دونوں) اور دوسرے مفاد پرست عناصر ان اصلاحات کا حلیہ بگاڑنے اور گاڑی کو پٹڑی سے اتارنے کی مسلسل کوششیں کرتے رہے اور بالآخر ۱۹۸۵ سے عملاً ان تمام اقدامات کو غیر موثر کر دیا گیا جن کا آغاز ۱۹۷۹ سے ہوا تھا۔ اس جوابی تحریک (counter revolutionary movement) کو ۱۹۹۰ میں اسلامی جمہوری اتحاد کے برسراقتدار آنے پر چیلنج کیا گیا اور شریعت کی بالادستی کے مطالبے نے زور پکڑا۔ وزیراعظم صاحب نے خود انحصاری کے لیے جو کمیٹی بنائی تھی اور جس نے راقم الحروف کی سربراہی میں کام کیا تھا اس نے اپریل ۱۹۹۱ میں ایک رپورٹ پیش کی اور ملکی معیشت اور بین الاقوامی معاشی تعلقات کو سود سے پاک کرنے کے لیے ایک واضح حکمت عملی اور نقشہ عمل پیش کیا۔ نیز وفاقی شرعی عدالت نے دس سال

کی بے اختیاری کے بعد اختیارات بحال ہونے پر دسمبر ۱۹۹۱ء میں ایک تاریخی فیصلہ دیا جس کے تحت سود پر مبنی ۲۰ قوانین کو کالعدم قرار دیا اور حکومت کو ۶ ماہ کی مہلت دی کہ متبادل قانون سازی کرے لیکن حکومت نے اس فیصلے پر عمل کرنے کے بجائے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی اور دوسری طرف خود انحصاری رپورٹ کو طاقِ نسیاں کی نذر کر دیا۔

یہ ہے وہ پس منظر جس میں قوم نے ایک بار پھر یہ مطالبہ کیا ہے کہ سپریم کورٹ سے اپیل واپس لی جائے اور شرعی عدالت کے مشورے سے سودی نظام سے نجات کے لیے عملی اقدام کیا جائے۔ لیکن اس بعد والے راستے کو اختیار کرنے کی بجائے ایک بار پھر نئے کمیشنوں اور نئی کمیٹیوں کا راستہ اختیار کیا جا رہا ہے اور قوم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ متبادل نظام کی نشان دہی کرے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ باقی امور پر تو پالیسی سازی اور متبادل راستوں کا تعین حکومت کی ذمہ داری ہے اور اگر معاملہ اپنے اختیارات کو بڑھانے کا ہو تو یہ کام سارے ضابطوں کو معطل کر کے چند گھنٹے میں کیا جا سکتا ہے لیکن سود سے نجات ہی ایک ایسا معاملہ ہے جس میں اصل ذمہ داری حکومت کی نہیں بلکہ قوم کی ہے کہ وہ حکومت کو بنا بنایا کوئی متبادل نظام لا کر دے تا کہ وہ حرکت کے لائق ہو سکے!

دراصل بیماری کی اصل جڑ ہی یہ ہے کہ حکومت اور اختیار رکھنے والے سارے ادارے اس اہم معاملے پر اپنی ذمہ داری کو نہ صرف یہ کہ محسوس نہیں کرتے ہیں بلکہ بڑی چابک دستی سے ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتے ہیں۔ حالانکہ جس طرح ملک کو درپیش تمام مسائل اور چیلنجوں کے بارے میں یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ ان کے حل کے لیے پالیسیاں بنائیں، وسائل حاصل کریں اور ضروری عملی اقدامات کریں اس طرح سود کے مسئلے کے بارے میں بھی اصل ذمہ داری ارباب اقتدار ہی کی ہے اور اس بارے میں کسی راہ فرار کی گنجایش نہیں۔

وزیراعظم صاحب نے اپنی ۳۱ مارچ کی تقریر میں ایک اور کمیشن کے قیام کا اعلان کیا ہے جیسے اب تک اس سلسلے میں کوئی کام ہوا ہی نہیں اور اب ایک نیا ورق پلٹا جا رہا ہے۔ ہمارے پاس دو نہایت قابل احترام افراد ملک اللہ یار خان ایڈووکیٹ سپریم کورٹ اور ڈاکٹر اسید الیاس علی عباسی کا سوال نامہ آیا ہے جس میں، وزیراعلیٰ پنجاب سے گفتگو کی روشنی میں، متبادل بنک کاری نظام کے بارے میں کچھ سوال کیے گئے ہیں۔ ان کا ارشاد ہے کہ وزیراعلیٰ صاحب نے "ان سے وعدہ کیا ہے کہ آپ ہمیں سودی نظام کا متبادل اسلامی نظام معیشت جاری کرنے کے لیے ورکنگ پیپر دیں، ہم فوری طور پر عمل درآمد کے لیے تیار ہیں"۔ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بھی ایک پریس کانفرنس میں یہ خوش خبری دی ہے کہ میاں محمد شریف، میاں نواز

شریف اور میاں شہباز شریف ان سے ملے ہیں اور وزیراعلیٰ پنجاب نے تو ۳ سال کی مہلت مانگی ہے مگر میاں محمد شریف نے کہا ہے کہ ایک سال میں کم از کم ملک کی داخلی معیشت سے سود کو ختم کر دینا چاہیے۔ (جسارت کراچی، ۱۴ اپریل ۹۷)۔ یہ ساری باتیں اس طرح کی جا رہی ہیں جیسے کسی نئے کام کا آغاز کیا جا رہا ہو اور سادہ کاغذ پر کسی نئی تحریر کا مرحلہ درپیش ہو۔ بلاشبہ یہ کام بہت اہم ہے اور گمبھیر بھی لیکن یہ تاثر کہ کوئی متبادل موجود نہیں ہے اور اسلامی نظام معیشت کے قیام کا مطالبہ کسی خلا میں کیا جا رہا ہے یا جہالت پر مبنی ہے، یا صریح دھوکا ہے۔ آج بلاسود متبادل محض کوئی خیالی شے نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پچاس برسوں میں اس سلسلے میں اتنا کام ہوا ہے کہ اگر کوئی مخلص اور اہل قیادت نئے نظام کے قیام کا عزم اور ارادہ رکھتی ہو تو ایک دن کی تاخیر کیے بغیر موثر اقدام کا آغاز ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ نیا نظام قائم کرنے میں وقت لگے گا اور تبدیلی کا عمل تدریج اور مناسب حکمت عملی ہی سے انجام دیا جائے گا مگر آج اصل رکاوٹ فکری کام کی کمی یا متبادل نقشہ کار کی عدم موجودگی نہیں، قیادت میں ایمان اور سیاسی عزم و ارادہ کی کمی ہے۔ ہم یہ بات کسی تعصب کی بنا پر نہیں کہہ رہے (اللہ تعالیٰ ہمیں ہر تعصب اور جانب داری سے محفوظ رکھے)۔ راقم الحروف پچھلے پچیس برسوں سے ذاتی طور پر ان کوششوں سے وابستہ رہا ہے جو اس سلسلے میں ہوئی ہیں اور اپنے ذاتی علم اور تجربے کی بنا پر یہ بات کہہ رہا ہے کہ اصل رکاوٹ کسی متبادل ماڈل کی کمی نہیں ہے۔ راستہ بہت صاف ہے اور اب تو دوسروں کے عملی نقوش بھی موجود ہیں۔ اصل ضرورت منزل کے شعور اور چلنے کے ارادے اور ہمت کی ہے اور ہماری قیادتوں کا اصل مرض بھی یہی ہے کہ نہ فکر و نظر کے اسلامی اسلوب کو انھوں نے شعوری طور پر اپنایا ہے اور نہ ان میں وہ جرات اور عزم ہے جس کی بنا پر انسان دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اپنے اصل اہداف کے حصول کے لیے سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ ایک طرف ذہنوں پر مغرب کے افکار کا غلبہ ہے تو دوسری طرف مفاد پرست عناصر اور عالمی ساہوکاری نظام کے کارپردازوں کا گھیراؤ ہے جو ذہنوں کو مسموم کرنے اور کمزور ارادہ لوگوں کے قدموں کو متزلزل کرنے میں مصروف ہے اور ہمارے ارباب اقتدار کا حال یہ ہے کہ:

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے، کلیسا مرے آگے

ضرورت اس امر کی ہے کہ دماغ میں جو بت خانے آباد ہیں ان کو توڑا جائے اور دل و نگاہ کی مسلمانی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ اقبال نے صحیح تشخیص کی تھی: ؎

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منور ہوں ترے نورِ بصر سے

اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی؟

ایک مغالطہ جو مختلف انداز میں بار بار دیا جاتا ہے وہ سود کے تصور کے بارے میں ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے سامنے بھی سرکاری وکیلوں نے اس مسئلے کو اٹھایا اور سپریم کورٹ میں جو اپیل دائر کی ہے اس میں بھی اس بات کو شامل کیا گیا ہے۔ یعنی یہ کہ کیا بنک کا سود ربٰو کی تعریف میں آتا ہے؟

ہم اس بات کو بالکل دو ٹوک انداز میں واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس سلسلے میں عرب دنیا' برعظیم اور جنوب مشرقی ایشیا میں دور غلامی میں جو بحثیں اٹھائی گئی تھیں آج وہ قصہ پارینہ ہیں۔ الحمدللہ گذشتہ پچاس برسوں میں اس موضوع پر ایسی سیرحاصل بحث ہوئی ہے کہ براہین قاطع کی بنیاد پر یہ بحث ایک اجماع پر منتج ہو چکی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرض کے مالی معاملات پر اصل سرمائے پر جو بھی متعین اضافہ پہلے سے طے ہو اور شرط معاہدہ کا حصہ ہو وہ سود ہے۔ خواہ یہ قرض صرفی ضروریات کے لیے ہو' یا پیداواری مقاصد کے لیے' فرد لے رہا ہو یا ادارہ' نجی ہو یا سرکاری' مہاجن ہو یا بنک اور انشورنس کمپنیوں کے ذریعے۔ اس پر پاکستان میں بھی اور عالم اسلام میں بھی مکمل اتفاق رائے ہے اور علما اور ماہرین معاشیات دونوں اس پر متفق ہیں' اس لیے اس بحث کو ازسرنو شروع کرنا علم اور خلوص پر مبنی نہیں بلکہ مسئلے کو الجھانے' تعویق میں ڈالنے یا دھوکا دینے کے مترادف ہے اور انسان اپنے کو تو دھوکا دے سکتا ہے لیکن اللہ کو دھوکا نہیں دے سکتا يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (البقرہ ۲:۹)

اسلامی مشاورتی کونسل نے اپنے ۳ دسمبر ۱۹۶۹ کے اجلاس میں فیصلہ کیا تھا کہ:

"اسلامی مشاورتی کونسل اس امر پر متفق ہے کہ ربٰو اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود کی بیشی اور کمی سود کی حرمت پر اثرانداز نہیں ہوتی۔ افراد اور اداروں کے لین دین کی مندرجہ ذیل صورتوں پر مکمل غوروفکر کرنے کے بعد کونسل اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ:

(الف) موجودہ بنک کاری نظام کے تحت افراد' اداروں اور حکومتوں کے درمیان کاروباری لین دین اور قرضہ جات میں اصل رقم پر جو بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے وہ داخل ربٰو ہے۔

(ب) خزانے کی طرف سے مقداری مدت کے قرضے پر جو چھوٹ دی جاتی ہے وہ بھی داخل ربٰو ہے۔

(ج) سیونگ سرٹیفکیٹ پر جو سود دیا جاتا ہے وہ ربٰو میں شامل ہے۔

(د) انعامی بانڈ پر جو انعام دیا جاتا ہے' وہ ربٰو میں شامل ہے۔

(ہ) پراویڈنٹ فنڈ اور پوسٹل بیمہ زندگی وغیرہ میں جو سود دیا جاتا ہے وہ بھی ربٰو میں شامل ہے۔

(و) صوبوں' مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیے جانے والے قرضوں پر بڑھوتری ربٰو میں شامل ہے۔ (Report on Consolidated Recommendations on the "Islamic Economic System" Council of Islamic Ideology, 1983, pp 9-10)

بعینہٖ یہی وہ پوزیشن ہے جو اسلامی نظریاتی کونسل اور اس کے ماہرین معاشیات اور بنک کاروں نے اپنی آخری رپورٹ میں اختیار کی ہے۔ اسی طرح اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے گورنر کی صدارت میں جس بنک کاروں کی کمیٹی نے کام کیا اور ۱۹۸۰ء میں اپنی رپورٹ دی اس نے بھی یہی پوزیشن اختیار کی ہے۔ اس طرح ملک کے علما اور معاشی ماہرین اور بنک کار اس پر متفق ہیں۔ نیز وفاقی شرعی عدالت نے اپنے دسمبر ۱۹۸۱ کے تاریخی فیصلے میں اس پوزیشن پر مہر تصدیق ثبت کی ہے جو حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔

یہی پوزیشن عالمی اداروں کی ہے۔ بھارت کے مجمع الفقہ الاسلامی نے دسمبر ۱۹۸۹ میں وہاں کے چوٹی کے علما کے سیمی نار میں جس آخری متفقہ رائے کا اظہار کیا' وہ یہ ہے:

"سود خواہ ذاتی مصارف کے قرضوں پر لیا جائے یا تجارتی و کاروباری قرضوں پر' شریعت اسلامیہ کی نظر میں بہرحال حرام ہے۔ قرآن و سنت' اجماع و قیاس اور امت محمدیہ کا عمل متوارث سب یہی بتاتے ہیں کہ حرمت ربٰو کے بارے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا کہ قرض لینے کا مقصد اور محرک کیا ہے۔ سود کی حرمت پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں پڑتا کہ شرح سود کم ہے یا زیادہ' مناسب حد تک کم ہے یا نامناسب حد تک زیادہ۔ دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ دونوں صورتیں بہرحال حرام ہیں۔ (سہ ماہی "بحث و نظر"' پھلواری شریف پٹنہ' شمارہ ۸' جنوری تا مارچ ۱۹۹۰' صفحہ ۱۴)

سرکاری سطح پر وزرائے خارجہ کی تنظیم کی قائم کردہ اسلامی فقہ اکیڈمی نے بھی اس مسئلے پر دسمبر ۱۹۸۵ میں غور کیا اور وہ بھی اسی نتیجے پر پہنچی۔ فقہ اکیڈمی کی قرارداد نمبر ۳ میں طے کیا گیا کہ:

"بنکوں اور نظام بنک کاری میں اسلامی اصولوں کے نفاذ کے بارے میں:

(۱) ان تمام قرضوں پر' جنھیں ایک مدت کے بعد ادا کیا جاتا ہے' کوئی اضافہ (خواہ اس کا نام نفع ہی کیوں نہ ہو) اگر قرض دار اسے وقت پر ادا نہ کر سکے' یا کسی بھی قرض پر اضافہ یا نفع جسے قرض دینے کے وقت معاہدے کے حصے کے طور پر رکھا گیا ہو' دونوں ربٰو کی تعریف میں آتے ہیں اور شریعت میں حرام ہیں۔

(۲) (سود کے بغیر) متبادل بنیادوں پر بنک قائم ہونے چاہییں جو اسلامی احکام کے مطابق کام کریں اور

معاشی سہولتیں فراہم کریں۔

(۳) اکیڈمی تمام مسلمان ممالک سے اپیل کرتی ہے کہ وہ شریعت کے اصولوں کے مطابق کام کرنے والے بنک قائم کریں تاکہ مسلمانوں کی تمام ضروریات ان کے ایمان کے مطابق پوری کی جا سکیں اور ان کے عمل اور دین میں عدم مطابقت نہ رہے۔

یہی وجہ ہے کہ خود آئی ایم ایف کے سرکاری کاغذات میں مسلمان امت کی جو پوزیشن اس مسئلے کے بارے میں بیان کی گئی ہے، وہ یہ ہے:

"مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی بنک کاری نظام کے مطالعے کا آغاز اس کی بنیادی اصطلاحات کی تعریف سے کیا جائے۔ ربٰو ایک شرعی اصطلاح ہے جو زر کے استعمال پر پہلے سے طے شدہ اضافے سے عبارت ہے۔ ماضی میں اس امر پر نزاع ملتا ہے کہ ربٰو سے مراد سود ہے یا یوژوری (USURY)، لیکن اب مسلمان اہل علم کے درمیان اتفاق رائے پایا جاتا ہے کہ اس اصطلاح کا اطلاق سود کی ہر شکل پر ہوتا ہے اور اس کا مصداق محض مناسب سے زیادہ سود (excessive interest) نہیں۔ پس آگے کے مباحث میں ربٰو اور سود بطور مترادف استعمال کیے جائیں گے اور اسلامی نظام بنک کاری کے معنی وہ نظام ہو گا جس میں سود کی ادائی یا وصولی ممنوع ہو گی جب کہ ایک سودی یا روایتی بنک سے مراد وہ ادارہ ہو گا جس میں مالی فنڈ کے استعمال پر سود وصول کیا جاتا ہے، یا دیا جاتا ہے۔

(International Monetary Fund Staff Papers, Vol xxxiii No.1, March 1986, Islamic Interest-free Banking, a Theoretical Analysis by Mohsin S. Khan p -4-5)

نصف صدی کے علمی مباحث کا بے لاگ جائزہ اس امر کو بالکل مبرہن کر دیتا ہے کہ سود کے بارے میں جو سوالات اور شبہات اٹھائے گئے تھے وہ غیر حقیقی ہیں اور قرآن و سنت نے سود کو اس کی ہر شکل میں حرام قرار دیا ہے خواہ وہ قدیم ساہوکاری کی شکل میں ہو یا جدید بنک کاری کی، ضرورت مندوں کے صرفی قرضوں سے متعلق ہو یا تجارتی اور پیدا آوری قرضوں سے، نجی دائرے میں ہو یا سرکاری، نیم سرکاری دائرے میں، کم شرح پر ہو یا زیادہ شرح پر۔ یہ اتفاق رائے امت کا ایک عظیم سرمایہ ہے اور اب گڑے مردے اکھاڑنے کے بجائے سیدھے سبھاؤ ساری کوششیں اس امر پر مرکوز ہونی چاہییں کہ سود سے کیسے نجات پائی جائے اور متبادل نظام کے خدوخال کیا ہوں۔

علمی اور نظری میدان میں اس کامیابی کے ساتھ دوسری بڑی کامیابی جو پچھلے تیس سال میں حاصل ہوئی

ہے وہ بلاسود بنک کاری کے اصول و ضوابط' نظام کار' مالیاتی آلات (Financial Instruments) اور سرمایہ کاری کی حکمت عملیوں کی تجویز و تسوید ہے۔ اس سلسلے میں بڑی عرق ریزی کے ساتھ تحقیقات کی گئی ہیں اور بڑی دقت نظر سے متبادل نظام کا نقشہ بنایا گیا ہے۔ اس سلسلے کی ابتدائی کوششیں تو ۱۹۳۰ اور ۴۰ کے عشروں میں ہوئی تھیں اور اس میں سب سے زیادہ راہ کشا کام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مرحوم' ڈاکٹر انور اقبال قریشی مرحوم اور الاستاذ باقر الصدر شہید نے کیا تھا۔ پھر جدید معاشیات کے ماہرین میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی' ڈاکٹر محمد عزیر' ڈاکٹر محمود ابو سعود نے ابتدائی کام کیا جسے گذشتہ پچیس برسوں میں محققین کی ایک ٹیم نے سنوارنے اور مزید آگے بڑھانے میں قابل قدر حصہ لیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر احمد نجار' ڈاکٹر ساجی محمود' ڈاکٹر عمر چھاپرا' ڈاکٹر صدیق ضریر' ڈاکٹر معبد جرحی' ڈاکٹر ضیاء الدین احمد' ڈاکٹر وقار مسعود' ڈاکٹر محمد انور' ڈاکٹر محمد فہیم خان' ڈاکٹر محمد عارف اور درجنوں اہل علم نے بڑی مفید خدمات انجام دیں۔ کم از کم دو درجن ایسی تحقیقی کتابیں شائع ہوئی ہیں جن میں نئے نظام کے خدوخال واضح کیے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض کے مصنفین کو اسلامی ترقیاتی بنک کا ایوارڈ اور شاہ فیصل ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ' جو معاشیات اور بنک کاری کے ماہرین کی رپورٹ پر مبنی ہے ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس رپورٹ میں جو ۱۹۸۰ میں پیش کی گئی تھی' پاکستان ہی نہیں کسی بھی جدید ملک کی داخلی معیشت کو مکمل طور پر سود سے پاک کرنے کا بڑا حقیقت پسندانہ نقشہ کار (blue print) پیش کیا گیا ہے۔ اسٹیٹ بنک کے گورنر کی صدارت میں مرکزی بنک کی ایک کمیٹی نے بھی اسی موضوع پر ۱۹۸۱ میں کام کیا اور اس کا دیا ہوا نقشہ بھی نظریاتی کونسل کے نقشے سے بہت قریب ہے۔ نظریاتی کونسل کی رپورٹ پر مارچ ۱۹۸۱ ہی میں ایک عالمی سیمی نار میں بحث ہوئی اور اس کی سفارشات کی بحیثیت مجموعی توثیق کی گئی' نیز مزید کچھ سفارشات کی گئیں جو انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس (اسلام آباد) اور انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز (اسلام آباد) کی طرف سے Money and Banking in Islam کے نام سے شائع ہوئی ہیں۔ ۱۹۸۹ میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اکنامکس نے ایک ورکشاپ اس موضوع پر منعقد کیا کہ سرکاری لین دین سے سود کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس ورکشاپ کی رپورٹ (Report of the workshop on elimination of interest on Govt. transactions) شائع چکی ہے۔ اس کے بعد جون ۱۹۹۲ میں کمیشن فار اسلامائزیشن آف اکانومی نے اپنی عبوری رپورٹ بنک کاری کو سود سے پاک کرنے کے بارے میں دی جسے ابھی تک شائع نہیں کیا گیا بلکہ قانون کے مطابق سینیٹ اور اسمبلی تک میں پیش نہیں کیا گیا۔ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز نے ایک سیمی نار معیشت سے سود کو ختم کرنے کے بارے میں ۱۹۹۳ میں ایک سیمی نار منعقد کیا جس میں معاشیات اور بنک کاری کے تقریباً ایک سو

ماہرین نے شرکت کی۔ اس کی روداد کے بھی دو ایڈیشن ۱۹۹۴ اور ۱۹۹۵ میں Elimination of Riba from the Economy کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

یہ سارا کام پاکستان کے حالات کی روشنی میں متبادل نظام کا ایک واضح خاکہ پیش کرتا ہے اور ہر شعبہ کے لیے متبادل تجویز کرتا ہے۔

بیرونی قرضوں کے بارے میں بھی کام ہوا ہے۔ اس کے لیے انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز کی مندرجہ بالا رپورٹ اور خود انحصاری کمیٹی کی رپورٹ میں واضح رہنمائی موجود ہے۔ بلکہ خود انحصاری کمیٹی کی رپورٹ میں تو ایک طرف اس قانون کا خاکہ موجود ہے جو اس کام کو انجام دینے کے لیے درکار ہے اور دوسری طرف باقاعدہ econometric model کی مدد سے تین سال میں معیشت سے سود کو ختم کرنے کا پورا پروگرام بھی دیا گیا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ متبادل نظام کا مطالبہ کرنے والے نہ ان چیزوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ ان پر عمل کرتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ اگر ان کے ذہنوں میں ان پیش کردہ خطوط کے بارے میں کوئی اعتراضات اور خدشات ہیں تو ان پر گفتگو نہیں کرتے جس سے ان کی عدم توجہی اور غیر سنجیدگی کا پتا چلتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ اس تمام کام میں جو سفارشات پیش کی گئی ہیں وہ ان کے ذوق یا خواہش کے مطابق نہیں ہیں اس لیے وہ ان باتوں کے وجود کا انکار کر دیتے ہیں یا پھر "غضّ بصر" سے کام لیتے ہیں اور رٹ لگائے ہوئے ہیں کہ متبادل کہاں ہے؟

اتنی نہ بڑھا پاکیِ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ، ذرا بندِ قبا دیکھ

ہم نے اوپر صرف اس کام کی طرف اشارہ کیا ہے جو پاکستان میں ہوا ہے، باقی مسلم ممالک میں بھی خصوصیت سے عرب دنیا، ملایشیا اور خود مغرب کی یونی ورسٹیوں اور تحقیقی اداروں میں جو کام اس وقت ان موضوعات پر ہو چکا ہے اور جسے مغرب کی جامعات نے بھی اعلیٰ تحقیقاتی کام شمار کیا ہے، اس کی فہرست اور تعارف ایک الگ مقالے کا محتاج ہے۔

بات صرف علمی کام اور نظری طور پر متبادل نظام کی نقشہ گری تک محدود نہیں ہے، الحمدللہ پچھلے تیس برسوں میں بلاسود بنک کاری محض ایک نظریہ نہیں رہی ہے بلکہ ایک جیتی جاگتی حقیقت بن چکی ہے۔ بلاشبہ ابھی بہت سا کام کرنا ہے اور بڑے مراحل طے کرنا ہیں مگر جو کچھ حاصل کیا جا چکا ہے وہ اسلامی اصول بنک کاری کا لوہا منوانے کے لیے کافی ہے۔

بالکل نچلی اور عوامی سطح پر تو بلاسودی انداز میں بچتوں کو جمع کرنے اور وسائل کی فراہمی کا کام ہمیشہ سے

ہوتا رہا ہے، انفرادی سطح ہی پر نہیں اداروں کی سطح پر بھی ہوتا رہا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے حیدر آباد دکن میں پہلی جنگ کے بعد کے تجربات پر تحقیقی کام کیا تھا اور دکھایا تھا کس طرح کروڑوں روپے کی سرمایہ کاری اس نظام کے ذریعے ہو رہی تھی۔ پچھلے چالیس برسوں میں جو تجربات ہوئے ہیں ان میں مصر کا مت غمر بنک (Mit Ghamr Bank) ہے جو ۱۹۶۳ سے ۱۹۶۷ تک کام کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے ناصر سوشل بنک (۱۹۷۱) کی شکل میں نیا روپ اختیار کیا۔ یہ ادارے نہایت کامیابی سے دس بارہ سال چلتے رہے جس پر مغرب کے محققین نے تحقیق کی اور انھیں کامیاب ابتدائی تجربات قرار دیا۔ (ملاحظہ ہو: T. Wholus Scharf کی تحقیقی رپورٹ: Arab of Islamic Banks: New Business Partners for Developing Countries مطبوعہ پیرس، OECD ۱۹۸۳)

اسی طرح ملایشیا میں ۱۹۶۳ میں حاجیوں کے لیے بنک سیونگ کارپوریشن قائم ہوئی جسے ۱۹۶۹ میں تبوک حاجی (Tabuk Haji) کے نام سے باقاعدہ ایک بنک کاری کا ادارہ بنا دیا گیا جس میں دس لاکھ کھاتہ داروں نے ایک ارب ڈالر سے زیادہ سرمایہ لگایا ہے۔ اس کے تحت پانچ کمپنیاں کام کر رہی ہیں اور نہایت کامیابی سے بنک کاری اور حج کے انتظامات کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

۱۹۷۵ میں پہلا باقاعدہ تجارتی بنک Dubai Islamic Bank کے نام سے دوبئی میں قائم ہوا۔ اسی سال ۲۸ مسلمان ملکوں کے تعاون سے جدہ کا Islamic Development Bank قائم ہوا جس کے اب ۵۰ مسلمان ممالک ممبر ہیں۔ ان باب کشا (pioneering) بنکوں کے بعد گذشتہ بیس سال میں سو سے زیادہ بلاسودی بنک قائم ہوئے۔ دو بڑے مالیاتی گروپ DMI اور Al-Baraka متعدد ملکوں میں بلاسود بنک کاری کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ انٹرنیشنل ایسوسی ایشن آف اسلامک بنکس کے سیکرٹری جنرل کی ایک تازہ رپورٹ (نومبر ۱۹۹۶، The Present State of Islamic Banks) کے مطابق اس وقت خلیجی کونسل کے ممالک میں ۱۷، بقیہ شرق اوسط میں ۲۲، افریقہ میں ۳۰، جنوبی ایشیا میں ۴۷ اور یورپ اور امریکہ میں ۴ بلاسودی بنک یا مالیاتی ادارے کام کر رہے ہیں۔ ان بنکوں کا کل سرمایہ ۶ بلین ڈالر، ان میں موجود امانات (deposits) ۷۷ بلین ڈالر اور ان کے کل اثاثے (assets) ۱۶۶ بلین ڈالر ہیں۔ سرمائے کی تقسیم کے اعتبار سے شرق اوسط کے بنکوں کا حصہ ۵۵ فی صد، خلیجی کونسل کے ممالک کا حصہ ۲۳ فی صد اور جنوب ایشیا کا ۱۵ فی صد ہے۔ ان بنکوں کی کل شاخیں اس وقت اکیس ہزار ہیں اور ان میں دو لاکھ اکہتر ہزار ملازمین کام کر رہے ہیں۔ ان اداروں کے operations کے تجزیے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وسائل کا ۳۰ فی صد اندرونی تجارت، ۱۹ فی صد صنعت، ۱۳ فی صد سروس سیکٹر، ۱۲ فی صد اراضی اور املاک، اور ۸.۵ فی صد زراعت کی مالی ضروریات پورا کرنے پر صرف ہو رہا ہے۔

ہمیں یہ دعویٰ نہیں کہ یہ بنک ہر اعتبار سے معیاری ہیں۔ البتہ یہ دعویٰ بلاخوف تردید کیا جا سکتا ہے کہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود ان بنکوں نے دنیا کے سامنے یہ ثابت کر دیا ہے کہ بلاسود بنک کاری ممکن ہے اور اپنی کارکردگی اور نفع آوری کے اعتبار سے روایتی بنک کاری سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

کیسی ستم ظریفی ہے کہ ان تجربات کی موجودگی میں ہمارے ارباب سیاست متبادل نقشہ طلب کر رہے ہیں!

تینوں اہم میدانوں ((i) سود کی حقیقت اور تصور کی وضاحت، (ii) نظری طور پر بلاسود بنک کاری اور مالیاتی نظام کے نقشہ کار کی صورت گری اور (iii) کمرشل اور انوسٹمنٹ بنک کاری کے میدان میں عملاً بلاسودی اداروں کا قیام اور ان میں کچھ کی بائیس سال پر پھیلی ہوئی کامیاب خدمات ـــــ) میں گذشتہ چالیس برسوں میں جو کچھ حاصل کیا گیا ہے اس کے ایک سرسری جائزے کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم تعین کے ساتھ یہ بھی بتائیں کہ پاکستان میں یہ تجربہ کیوں کامیاب نہ ہو سکا اور گاڑی کس طرح پٹڑی سے اتری۔

تفصیل میں جانے کا موقع نہیں لیکن مختصراً سب سے پہلی بات یہ ہے کہ جو حکمت عملی اسلامی نظریاتی کونسل اور دوسرے اسلامی معاشیات کے ماہرین نے پیش کی تھی اس پر پہلے قدم (فروری ۱۹۷۹) کے بعد کوئی حقیقی پیش رفت نہ ہو سکی۔ نظریاتی کونسل اور ہم سب کی تجویز یہ تھی کہ ایک متعین تدریج کے ساتھ بنک کاری ہی نہیں، پوری معیشت کو سود سے پاک کیا جائے۔ سب سے پہلے ان اداروں سے آغاز ہو جن کے نظام کو فوراً تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لیے ہم نے نیشنل انوسٹمنٹ ٹرسٹ، آئی سی پی کا میوچل فنڈ اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن کا انتخاب کیا تھا، اس کے بعد ہم نے صنعت کے لیے Banker's Equity کے قیام کا منصوبہ دیا اور زرعی بنک، سمال انڈسٹریز کارپوریشن، کو آپریٹوز اور ان اداروں کو پابند کیا کہ چھوٹے کاشتکار، چھوٹے تاجر اور چھوٹی صنعت کو سرمایہ فراہم کریں تاکہ grassroot پر عام آدمی کو سب سے پہلے بلاسود سرمایہ کاری کی سہولت میسر ہو سکے جس سے روزگار کے مواقع بھی عام آدمی کو میسر آ سکیں گے اور غربت اور افلاس کو دور کرنے میں بھی مدد ملے گی۔ دوسرے مرحلے پر جسے ایک سال کے اندر شروع ہونا تھا، ہم نے سرکاری شعبے سے سود کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ اس لیے بھی ضروری تھا کہ ہماری رائے میں اصل ساہوکار مرکزی حکومت اور ایک حد تک صوبائی حکومتیں بن گئی ہیں۔ اس کا اندازہ ان حقائق سے کیجیے کہ ۱۹۸۰ سے آج تک سرکاری شعبے میں سودی کاروبار نجی سیکٹر کے مقابلے میں چار سے پانچ گنا زیادہ ہے۔ ۱۹۹۵ کے آخر کے جو اعداد و شمار ۹۶-۱۹۹۵ کے معاشی سروے میں دیے گئے ہیں ان کی رو

سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کی سود کی آمدنی ۳۰۸ بلین روپے تھی اور سود بصورت خرچہ ۱۱۵.۲۵ بلین روپے۔ کل سرکاری قرض (ملکی) ۸۵۵.۲۴ بلین روپے تھا اور مرکزی اور صوبائی قرضوں پر ادا کیا جانے والا سود ۱۲۵.۹۶ بلین روپے۔ بیرونی قرضہ جو اب ۳۰ بلین ڈالر سے زیادہ ہو چکا ہے اس پر مستزاد۔ اس کا مقابلہ اگر آپ کمرشل بنکوں کے ایڈوانسز (Advances) سے کریں تو ۱۹۹۵ کے آخر میں کارپوریٹ سیکٹر اور انفرادی کل ایڈوانس صرف ۳۴۴.۹ ارب روپے تھے۔ اسی طرح تمام بنکوں کے میعادی ڈیپوزٹس جون ۱۹۹۶ میں ۳۰۷.۳۷ ارب روپے تھے جب کہ سرکاری قرضہ ۸۵۹.۲۴ ارب روپے اور صرف سرکاری سیونگ اسکیموں میں ۳۰۳.۸۹ ارب روپے کی وصولی تھی (اسٹیٹ بنک کی سالانہ رپورٹ ۹۶-۱۹۹۵)۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ سب سے پہلے جس سیکٹر کو سود سے پاک کرنے کی ضرورت ہے وہ یہی سرکاری سیکٹر ہے۔ یہی بات اسلامی نظریاتی کونسل نے کہی تھی اور یہی موقف خود انحصاری کمیٹی کا تھا۔ لیکن اس سیکٹر کو نہ صرف یہ کہ اس پورے زمانے میں ہاتھ تک نہیں لگایا گیا بلکہ اس میں سودی کاروبار گذشتہ ۱۵ سال میں دوگنا اور تین گنا ہو گیا ہے۔

ہماری تجویز تھی کہ پہلے تجارتی بنکوں کی اصلاح ہو اور اس میں اصل توجہ اثاثہ جات (Bank Assets) کو اسلامی احکام سے ہم آہنگ کرنے کی ہو تاکہ سرمائے کے استعمال کی راہیں کھلیں اور سود سے پاک ہو کر کھلیں جب کہ ڈیپوزٹس کو اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنا نسبتاً آسان تھا۔ حکومت نے ترتیب الٹ دی اور ساری توجہ ڈیپوزٹس کے نظام کو بدلنے پر صرف کی اور اثاثہ جات کی اصلاح اور اس کے لیے جس قانونی ڈھانچے کی ضرورت تھی وہ نہ بنایا۔ ہماری تجویز تھی کہ کمپنی لا، ٹیکس کے نظام، کارپوریٹ لا اتھارٹی، اسٹاک ایکسچینج ان سب کو اس طرح تبدیل کیا جائے کہ نیا معاشی infra - structure وجود میں آ سکے۔ اس کے ساتھ ہی قانونی طور پر سود کو ختم کیا جائے۔ تمام تحفظات اور محرکات جو سود کو حاصل ہیں وہ نفع و نقصان پر مبنی سرمایہ کاری کو دیے جائیں۔ بنک اور مالیاتی اداروں کے عاملین کی تربیت کے لیے مناسب ادارے قائم کیے جائیں اور موثر انتظامات کیے جائیں۔ نیز عوام کی تعلیم کا انتظام ہو تاکہ حلال و حرام سے واقفیت ہو اور نئے نظام کے لیے عوامی تائید حاصل کی جا سکے۔ اسٹیٹ بنک کو اس پورے کام میں ایک مرکزی کردار ادا کرنا تھا۔ لیکن حکومت نے ان میں سے کوئی اقدام نہ کیا۔ اصل اسکیم کو گڈمڈ کر کے تجارتی بنکوں میں PLS اکاؤنٹ کھولے اور مارک اپ کے نام پر سود کو نئی زندگی عطا کر دی۔ نیز حکومت خود اس زمانے میں مسلسل سودی بانڈ اور سرٹیفکیٹ جاری کرتی رہی، ملک میں بھی اور زرمبادلہ کے لیے بھی، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ حتیٰ کہ اب "قرض اتارو، ملک سنوارو" اسکیم کے تحت جو قرضے حاصل کیے جا رہے ہیں ان کا ۹۰ فی صد بھی سودی بنیاد ہی پر ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم سمجھتے ہیں کہ اصل رکاوٹ ارباب اقتدار کے فکر و نظر کا بگاڑ اور ارادہ و عزم کی کمی ہے اور جب تک یہ درست نہ ہوں محض تجاویز اور متبادل صورتوں کے انبار لگانے سے کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ بلکہ سرکاری رپورٹوں، کمیشنوں اور کمیٹیوں کا تو یہ حال ہے کہ رپورٹیں موجود ہیں جن پر کوئی عمل نہیں ہوتا اور نئی کمیٹیاں قائم کر دی جاتی ہیں اور اس بڑھیا کی طرح اپنی محنت ضائع کی جاتی ہے جو سوت کاتتی ہے اور پھر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا (النحل ۱۶:۹۲) بلاشبہ تحقیقی کام کی بھی ضرورت ہے اور عوام کی تعلیم و تربیت کی بھی، مردان کار کی ٹریننگ کا بھی انتظام ہونا چاہیے لیکن سب سے پہلے دل و نگاہ کی اصلاح اور موثر سیاسی عزم (political will) کی ضرورت ہے جن کے بغیر کوئی منزل سر نہیں کی جا سکتی۔

صرف عبرت کے لیے اور ان لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے جو متبادل کا گلا کرتے ہیں اور حقائق سے صرف نظر، ایک اقتباس ورلڈ بنک کے ایک برادر ادارے انٹرنیشنل فائی نانس کارپوریشن کے بورڈ آف ڈائریکٹرز کی رپورٹ سے دے دوں جو میں نے خود انحصاری کمیٹی کی رپورٹ میں بھی دیا تھا۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک اسٹیج پر یہ عالمی مالیاتی ادارے اس امر پر غور کر رہے تھے کہ اگر پاکستان سود کو ختم کر دیتا ہے اور حقیقی اسلامی بنک کاری اور سرمایہ کاری سے ہٹ کر کوئی راستہ اختیار کرنے کو تیار نہیں، تو پھر وہ کس طرح اپنے معاملات کو اس سے ہم آہنگ کریں، لیکن داد دیں ہماری قیادت کو کہ اس نے ان کو یقین دلا دیا کہ اسلام کی باتیں صرف دل بہلانے کے لیے ہیں، عمل کے لیے نہیں، اس لیے ان کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو IFC کی رپورٹ نمبر IFC/P-587 مورخہ دسمبر 1987-

"A change to Islamic modes of financing has been considered by IFC but this would be contrary to the Government (of Pakistan) intentions for foreign loans. Adoption by a foreign lender of Islamic instruments could be construed as undermining Governments policy to exempt foreign lender from this requisit".

"انٹرنیشنل فائی نانس کارپوریشن نے اسلامی سرمایہ کاری کے طریقوں کو اپنانے کے بارے میں غور کیا لیکن یہ بیرونی قرضوں کے بارے میں حکومت (پاکستان) کے منشا کے خلاف ہوتا۔ اگر بیرونی قرضہ دینے والے اسلامی طریقے اور ذرائع اختیار کرتے ہیں تو اسے اس سرکاری پالیسی کو غتر بود کرنے کی کوشش سمجھا جائے گا جس کے تحت بیرونی قرض دینے والوں کو ان (اسلامی) مطالبات سے مستثنیٰ رکھا جا رہا ہے"۔

اس رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے بورڈ آف گورنرز تو پاکستان کے دستور کی اسلامی دفعات اور خصوصیت سے 'وفاقی شرعی عدالت سے' سود کے بارے میں اختیارات کی تحدید کے ختم ہونے کے امکان کی روشنی میں اپنے رویے میں تبدیلی کرنے کے لیے فکرمند ہے مگر ہمارے حکام ان کو تسلی دیتے ہیں کہ کوئی خطرہ نہیں، ہم دستور کو بھی بدل دیں گے۔

"We have ben advised by senior Government officials that steps will be taken to rectify this situation in all probability.

"ہمیں سینیر سرکاری افسروں کے ذریعے مطلع کیا گیا ہے کہ پورا امکان ہے کہ اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ضروری اقدامات کیے جائیں گے۔"

یہ ہے ہمارے حکمرانوں کا ذہن اور کردار۔ ہمیں ہوا دکھایا جاتا ہے کہ بیرونی مالیاتی ادارے ہمارا حقہ پانی بند کر دیں گے اور ملک تباہ ہو جائے گا اور اگر وہ اسلامی بنک کاری کے اصولوں کو اختیار کرنے کے لیے آمادگی کا اظہار کرتے ہیں تو ان کو روک دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ دستور میں بھی ترمیم کر ڈالی جائے گی مگر سود کی راہ کھوٹی نہیں ہونے دیں گے، وہ شیرمادر کی طرح حلال اور رواں رہے گا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ اور اس جنگ کے نتیجے میں صرف یہی تباہ نہیں ہو رہے، پورا ملک اور پوری قوم عذاب میں مبتلا ہے۔

ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ پہلے خلوص دل سے اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف اس جنگ کو بند کرنے کا اعلان کرو۔ سیزفائر کے بغیر کسی اور اقدام کا کیا سوال؟ دستوری ترمیم تو نہ کی جا سکی مگر وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کر دی گئی۔ سپریم کورٹ بھی اس اپیل پر پانچ سال سے خاموش ہے اور ایک بار بھی سماعت کی زحمت نہیں فرمائی گئی--- کیا اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کا یہی طریقہ ہے؟ اللہ تعالیٰ غلطی اور فروگذاشت کو معاف کرنے میں بڑا غفور و رحیم ہے لیکن بغاوت اور سرکشی کے باب میں اس کی گرفت بھی بڑی سخت ہے (اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (البروج ۸۵:۱۲)۔ آیئے، بندگی اور اطاعت کا راستہ اختیار کریں، پھر ہر مشکل آسان ہو جائے گی اور ہر بند دروازہ کھل جائے گا۔

(اس مضمون کے ری پرنٹ دستیاب ہیں۔ منشورات، لاہور)

حکمت مودودیؒ

اسلام کے اصول شوریٰ

مشاورت اسلامی طرز زندگی کا ایک اہم ستون ہے' اور مشورے کے بغیر اجتماعی کام چلانا نہ صرف جاہلیت کا طریقہ ہے بلکہ اللہ کے مقرر کیے ہوئے ضابطے کی صریح خلاف ورزی ہے۔ مشاورت کو اسلام میں یہ اہمیت کیوں دی گئی ہے؟ اس کے وجوہ پر اگر غور کیا جائے تو تین باتیں واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ایک یہ کہ جس معاملے کا تعلق دو یا زائد آدمیوں کے مفاد سے ہو' اس میں کسی ایک شخص کا اپنی رائے سے فیصلہ کر ڈالنا اور دوسرے متعلق اشخاص کو نظرانداز کر دینا زیادتی ہے۔ مشترک حالات میں کسی کو اپنی من مانی چلانے کا حق نہیں ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ایک معاملہ جتنے لوگوں کے مفاد سے تعلق رکھتا ہو' اس میں ان سب کی رائے لی جائے' اور اگر وہ کسی بہت بڑی تعداد سے متعلق ہو تو ان کے معتمد علیہ نمایندوں کو شریک مشورہ کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انسان مشترک معاملات میں اپنی من مانی چلانے کی کوشش یا تو اس وجہ سے کرتا ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض کے لیے دوسروں کا حق مارنا چاہتا ہے' یا پھر اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو بڑی چیز اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ اخلاقی حیثیت سے یہ دونوں صفات یکساں قبیح ہیں' اور مومن کے اندر ان میں سے کسی صفت کا شائبہ بھی نہیں پایا جا سکتا۔ مومن نہ تو خود غرض ہوتا ہے کہ دوسروں کے حقوق پر دست درازی کر کے خود ناجائز فائدہ اٹھانا چاہے اور نہ وہ متکبر اور خود پسند ہوتا ہے کہ اپنے آپ ہی کو عقل کل اور علیم و خبیر سمجھے۔

تیسرے یہ کہ جن معاملات کا تعلق دوسروں کے حقوق اور مفاد سے ہو' ان میں فیصلہ کرنا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ کوئی شخص جو خدا سے ڈرتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ اس کی کتنی سخت جواب دہی اسے اپنے رب کے سامنے کرنی پڑے گی' کبھی اس بھاری بوجھ کو تنہا اپنے سر لینے کی جرات نہیں کر سکتا۔ اس طرح کی جراتیں صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو خدا سے بے خوف اور آخرت سے بے فکر ہوتے ہیں۔ خدا ترس اور آخرت کی باز پرس کا احساس رکھنے والا آدمی تو لازماً یہ کوشش کرے گا کہ ایک مشترک معاملہ جن جن سے بھی متعلق ہو' ان سبؐ کو' یا ان کے بھروسے کے نمایندوں کو اس کا فیصلہ کرنے میں شریک مشورہ کرے' تا کہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور بے لاگ اور مبنی بر انصاف فیصلہ کیا جا سکے' اور اگر نادانستہ کوئی غلطی ہو بھی جائے

تو تنہا کسی ایک ہی شخص پر اس کی ذمہ داری نہ آ پڑے۔

یہ تین وجوہ ایسے ہیں جن پر اگر آدمی غور کرے تو اس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آ سکتی ہے کہ اسلام جس اخلاق کی انسان کو تعلیم دیتا ہے، مشورہ اس کا لازمی تقاضا ہے اور اس سے انحراف ایک بہت بڑی بداخلاقی ہے جس کی اسلام کبھی اجازت نہیں دے سکتا۔ اسلامی طرز زندگی یہ چاہتا ہے کہ مشاورت کا اصول ہر چھوٹے بڑے اجتماعی معاملے میں برتا جائے۔ گھر کے معاملات ہوں تو ان میں میاں اور بیوی باہم مشورے سے کام کریں اور بچے جب جوان ہو جائیں تو انھیں بھی شریک مشورہ کیا جائے۔ خاندان کے معاملات ہوں تو ان میں کنبے کے سب عاقل و بالغ افراد کی رائے لی جائے۔ ایک قبیلے یا برادری یا بستی کے معاملات ہوں اور سب لوگوں کا شریک مشورہ ہونا ممکن نہ ہو، تو ان کا فیصلہ کوئی ایسی پنچایت یا مجلس کرے جس میں کسی متفق علیہ طریقے کے مطابق تمام متعلق لوگوں کے معتمد علیہ نمایندے شریک ہوں۔ ایک پوری قوم کے معاملات ہوں تو ان کے چلانے کے لیے قوم کا سربراہ سب کی مرضی سے مقرر کیا جائے، اور وہ قومی معاملات کو ایسے صاحب رائے لوگوں کے مشورے سے چلائے جن کو قوم قابل اعتماد سمجھتی ہو، اور وہ اسی وقت تک سربراہ رہے جب تک قوم خود اسے اپنا سربراہ بنائے رکھنا چاہے۔ کوئی ایمان دار آدمی زبردستی قوم کا سربراہ بننے اور بنے رہنے کی خواہش یا کوشش نہیں کر سکتا، نہ یہ فریب کاری کر سکتا ہے کہ پہلے بزور قوم کے سر پر مسلط ہو جائے اور پھر جبر کے تحت لوگوں کی رضامندی طلب کرے، اور نہ اس طرح کی چالیں چل سکتا ہے کہ اس کو مشورہ دینے کے لیے لوگ اپنی آزاد مرضی سے اپنی پسند کے نمایندے نہیں بلکہ وہ نمایندے منتخب کریں جو اس کی مرضی کے مطابق رائے دینے والے ہوں۔ ایسی ہر خواہش صرف اس نفس میں پیدا ہوتی ہے جو نیت کی خرابی سے ملوث ہو، اور اس خواہش کے ساتھ اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کی ظاہری شکل بنانے اور اس کی حقیقت غائب کر دینے کی کوششیں صرف وہی شخص کر سکتا ہے جسے خدا اور خلق دونوں کو دھوکا دینے میں کوئی باک نہ ہو، حالانکہ نہ خدا دھوکا کھا سکتا ہے، اور نہ خلق ہی اتنی اندھی ہو سکتی ہے کہ کوئی شخص دن کی روشنی میں علانیہ ڈاکہ مار رہا ہو اور وہ سچے دل سے یہ سمجھتی رہے کہ وہ ڈاکہ نہیں مار رہا ہے بلکہ لوگوں کی خدمت کر رہا ہے۔

اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ کا قاعدہ خود اپنی نوعیت اور فطرت کے لحاظ سے پانچ باتوں کا تقاضا کرتا ہے۔ اول یہ کہ اجتماعی معاملات جن لوگوں کے حقوق اور مفاد سے تعلق رکھتے ہیں انھیں اظہار رائے کی پوری آزادی حاصل ہو، اور وہ اس بات سے پوری طرح باخبر رکھے جائیں کہ ان کے معاملات فی الواقع کس طرح چلائے جا رہے ہیں، اور انھیں اس امر کا بھی پورا حق حاصل ہو کہ اگر وہ اپنے معاملات کی سربراہی میں کوئی غلطی یا خامی یا کوتاہی دیکھیں تو اس پر ٹوک سکیں، احتجاج کر سکیں اور اصلاح ہوتی نہ دیکھیں تو سربراہ کاروں کو بدل سکیں۔ لوگوں کا منہ بند کر کے اور ان کے ہاتھ پاؤں کس کر اور ان کو بے خبر رکھ کر ان کے اجتماعی معاملات

چلانا صریح بددیانتی ہے جسے کوئی شخص بھی اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کے اصول کی پیروی نہیں مان سکتا۔

دوم یہ کہ اجتماعی معاملات کو چلانے کی ذمہ داری جس شخص پر بھی ڈالنی ہو، اسے لوگوں کی رضامندی سے مقرر کیا جائے، اور یہ رضامندی ان کی آزادانہ رضامندی ہو۔ جبر اور تخویف سے حاصل کی ہوئی، یا تحریص و اطماع سے خریدی ہوئی، یا دھوکے اور فریب اور مکاریوں سے کھسوٹی ہوئی رضامندی در حقیقت رضامندی نہیں ہے۔ ایک قوم کا صحیح سربراہ وہ نہیں ہوتا جو ہر ممکن طریقہ سے کوشش کر کے اس کا سربراہ بنے، بلکہ وہ ہوتا ہے جس کو لوگ اپنی خوشی اور پسند سے اپنا سربراہ بنائیں۔

سوم یہ کہ سربراہ کو مشورہ دینے کے لیے بھی وہ لوگ مقرر کیے جائیں جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہو، اور ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگ کبھی صحیح معنوں میں حقیقی اعتماد کے حامل قرار نہیں دیے جاسکتے جو دباؤ ڈال کر، یا مال سے خرید کر، یا جھوٹ اور مکر سے کام لے کر، یا لوگوں کو گمراہ کر کے نمایندگی کا مقام حاصل کریں۔

چہارم یہ کہ مشورہ دینے والے اپنے علم اور ایمان و ضمیر کے مطابق رائے دیں، اور اس طرح کے اظہار رائے کی انھیں پوری آزادی حاصل ہو۔ یہ بات جہاں نہ ہو، جہاں مشورہ دینے والے کسی لالچ یا خوف کی بنا پر، یا کسی جتھہ بندی میں کسے ہوئے ہونے کی وجہ سے خود اپنے علم اور ضمیر کے خلاف رائے دیں، وہاں در حقیقت خیانت اور غداری ہوگی نہ کہ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ کی پیروی۔

پنجم یہ کہ جو مشورہ اہل شوریٰ کے اجماع (اتفاق رائے) سے دیا جائے، یا جسے ان کے جمہور (اکثریت) کی تائید حاصل ہو، اسے تسلیم کیا جائے۔ کیونکہ اگر ایک شخص یا ایک ٹولہ سب کی سننے کے بعد اپنی مانی کرنے کا مختار ہو تو مشاورت بالکل بے معنی ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما رہا ہے کہ "ان کے معاملات میں ان سے مشورہ لیا جاتا ہے" بلکہ یہ فرما رہا ہے کہ "ان کے معاملات آپس کے مشورے سے چلتے ہیں"۔ اس ارشاد کی تعمیل محض مشورہ لے لینے سے نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ مشاورت میں اجماع یا اکثریت کے ساتھ جو بات طے ہو اسی کے مطابق معاملات چلیں۔

اسلام کے اصول شوریٰ کی اس توضیح کے ساتھ یہ بنیادی بات بھی نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہ شوریٰ مسلمانوں کے معاملات کو چلانے میں مطلق العنان اور مختار کل نہیں ہے بلکہ لازماً اس دین کے حدود سے محدود ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود اپنی تشریع سے مقرر فرمایا ہے، اور اس اصل الاصول کی پابند ہے کہ "تمھارے درمیان جس معاملہ میں بھی اختلاف ہو اس کا فیصلہ کرنا اللہ کا کام ہے" اور "تمھارے درمیان جو نزاع بھی ہو اس میں اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو"۔ اس قاعدہ کلیہ کے لحاظ سے مسلمان شرعی معاملات میں اس امر پر تو مشورہ کر سکتے ہیں کہ کسی نص کا صحیح مفہوم کیا ہے، اور اس پر عمل درآمد کس طریقہ سے کیا جائے تاکہ اس کا منشا ٹھیک طور سے پورا ہو، لیکن اس غرض سے کوئی مشورہ نہیں کر سکتے کہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے کر دیا ہو، اس میں وہ خود کوئی آزادانہ فیصلہ کریں۔ (تفہیم القرآن، جلد ۵، ص ۵۰۸-۵۱۰)

ذرا ہوش میں آکر دیکھو

اس دنیا میں جس کی زندگی پر تم پھولے ہوئے ہو

تم کس طرح اللہ کے دست قدرت میں بے بس ہو

یہ آنکھیں

جن کی بینائی کے طفیل تم اپنی دنیا کے سارے کام چلا رہے ہو

اللہ کے ایک اشارے سے اندھی ہو سکتی ہیں

یہ ٹانگیں

جن کے بل بوتے پر تم یہ ساری دوڑ دھوپ دکھا رہے ہو

اللہ کے ایک حکم سے ان پر فالج گر سکتا ہے

جب تک اللہ کی یہ دی ہوئی طاقتیں کام کرتی رہتی ہیں

تم اپنی خودی کے زعم میں مدہوش رہتے ہو'

مگر جب ان میں سے کوئی ایک طاقت بھی جواب دے جاتی ہے

تو تمھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ

تمھاری بساط کتنی ہے

(تفہیم القرآن' جلد ۴' ص ۲۶۹)

(بندہ خدا)

فہم حدیث

اُمّت کا صلاح و فساد

مولانا عبد المالک

حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد شعیب سے وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس امت میں اصلاح کی ابتدا الیقین اور زہد ہے اور اس میں فساد کی ابتدا بخل اور (نہ ختم ہونے والی) دنیوی امید ہے۔ (بیہقی' شعب الایمان)

یقین سے مراد توحید و رسالت اور آخرت اور اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے برحق اور واجب العمل ہونے اور اللہ کے وعدوں پر یقین ہے۔ زہد سے مراد دنیا سے بے رغبتی' آخرت کی رغبت اور جنت کا شوق ہے۔ بخل سے مراد دنیا کی حرص اور ہوس اور اسے سمیٹ سمیٹ کر رکھنا ہے۔ امید سے مراد دنیا بنانے کے خواب دیکھنا اور آرزوئیں پالنا' ہزاروں سے لاکھوں' لاکھوں سے کروڑوں حاصل کرنے کے منصوبے ہیں۔

دنیا سے بے رغبتی اور آخرت پر یقین کے بغیر امت کی اصلاح ممکن نہیں' اور دنیا کی حرص' اسے جمع کرتے رہنا' اور سینت سینت کر رکھنا' اس کے لیے بخل سے کام لینا اور دنیا سے لمبی امیدیں لگانا فساد ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ کوئی بھی کام شوق اور محبت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ یہ شوق اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین پیدا ہو۔ اس دنیا میں سارا فساد' دنیا کو ہی مرکز امید بنا لینے سے ہے' اس کے لیے کوشش' دوڑ دھوپ' سفر اور معلوم نہیں کیا کیا بصد شوق کیا جاتا ہے۔ دنیا تو آخرت کے لیے ذریعہ ہے۔ اس دنیا میں فصل بوئی جائے اور وہاں کاٹی جائے۔ نظر آخرت پر ہو' تو انسان بخل سے پاک ہو گا۔

○

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس آدمی کے دل میں دنیا کی محبت کم ہو گی' اللہ تعالیٰ اس کے دل میں حکمت کا چشمہ جاری کر دے گا' اس کی زبان سے حکمت کی باتیں نکلیں گی اور اللہ تعالیٰ اسے دنیا کے عیبوں اور اس کی بیماریوں سے واقف کر دے گا اور اس کے علاج کی بصیرت عطا کر دے گا۔ اور اسے دنیا کی بیماریوں سے بچا کر سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف نکال لے جائے گا۔ (بیہقی' شعب للایمان)

دنیا کی محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے' اسے دنیا کے عیوب اور بیماریاں نظر نہیں آتیں۔ وہ نفسانی خواہشات کا اسیر ہو جاتا ہے اور اللہ کی نافرمانی' شیطان اور نفس اور انسانوں کی خواہشات کی غلامی اس کی نظر میں خوبصورت چیزیں بن جاتی ہیں۔ اس کی نظر کمزور اور ذوق بگڑ جاتا ہے۔ وہ شخص جو آخرت کی محبت رکھتا ہے' اسے نیکی اور بدی میں تمیز ہوتی ہے۔ اس کی نظر میں نیکیاں خوبصورت اور گناہ بدصورت ہوتے ہیں۔ اسے نیکی میں لذت محسوس ہوتی ہے اور برائی سے تکلیف ہوتی ہے۔ پھر اسے دنیا کے عیوب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس کی بیماریوں اور ان کی دواؤں سے وہ واقف ہو جاتا ہے۔ یہ حقیقی حکمت و دانش ہے۔ حکمت کی باتیں اس آدمی کی زبان سے نکلتی ہیں جو آخرت کی محبت رکھتا ہو اور اسے دنیا مرغوب نہ ہو۔ ایسے شخص کے پاس اگرچہ کسی کالج' یونیورسٹی اور علمی درس گاہ کی ڈگری نہ ہو' پھر بھی وہ حکیم ہوتا ہے۔ یہی حقیقی حکمت ہے۔

○

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے: فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> اللہ تعالیٰ نے تمھارے درمیان اخلاق تقسیم کیے ہیں' جس طرح تمھارے درمیان رزق کی تقسیم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت کرتا ہے اور اسے بھی دیتا ہے جس سے محبت نہیں کرتا' لیکن دین نہیں دیتا مگر اسے جس سے محبت کرتا ہے۔ پس وہ شخص جسے اس نے دین دیا اس سے محبت کی۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے' آدمی اس وقت تک مسلم نہیں بنتا جب تک اس کا دل اور زبان مسلم نہ بن جائے اور آدمی اس وقت تک مومن نہیں بنتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی آفات سے محفوظ نہ ہو جائے"۔ (مسند احمد)

بندے سے اللہ کی محبت کی علامت دین ملنا ہے اور دین ملنے کی علامت دل اور زبان کا مسلمان بن جانا ہے۔ دل مسلمان ہو تو اور کیا دولت چاہیے' کہ یہ کل زندگی درست ہونے کی ضمانت ہے۔ اور زبان مسلمان ہو تو انسان کتنے ہی گناہوں سے بچ جاتا ہے' دوزخ کا راستہ بند اور جنت کا کھل جاتا ہے۔ کیا وہ بھی مومن ہوتا ہے جس کے پڑوسی اس سے پناہ مانگتے ہوں؟

○

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں کا حکم دیا ہے: ۱۔ مساکین سے محبت کرنے اور ان سے قریب ہونے کا' ۲۔ میں (دنیا کے معاملہ میں) ان پر نظر رکھوں جو مجھ سے کمتر ہیں' ان پر نظر نہ رکھوں جو مجھ سے برتر ہیں۔ ۳۔ میں صلہ رحمی کروں اگرچہ مجھ سے بے رخی برتی جائے۔ ۴۔ میں کسی سے کچھ نہ مانگوں۔ ۵۔ میں حق بات کہوں اگرچہ وہ کڑوی ہو۔ ۶۔ میں اللہ کے معاملے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھاؤں۔ ۷۔

میں کثرت سے لَاحَولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھوں کیونکہ یہ عرش کے نیچے سے ایک خزانہ ہے (مسند احمد)۔

یہ تمام چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے اپنانے سے آخرت کی محبت بڑھتی ہے اور دنیا کی محبت کم ہوتی ہے۔ امرا کے بجائے مسکینوں سے محبت اور ان کا قرب' ان کی ہم نشینی' دنیاوی لحاظ سے اپنے سے کم تر لوگوں پر نظر رکھنا' اپنے سے برتر کو اپنے لیے نمونہ نہ بنانا' ان کی طرح کے ٹھاٹھ باٹھ سے رہنے کا جذبہ اپنے دل میں پیدا نہ کرنا' قرابت داروں سے حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا' اگرچہ ان کی طرف سے حسن سلوک نہ کیا جائے' اور کسی سے سوال نہ کرنا' یہ دنیا سے بے رغبتی ہے۔ اللہ کے تصرف و تدبیر اور قوت کا ذکر کرنا اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کرنا یہ بھی دنیا کی بجائے اللہ پر توکل ہے۔

○

حضرت ابو الدردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اپنے میں سے کمزوروں میں تلاش کرو اس لیے کہ تمھیں رزق دیا جاتا ہے اور تمھاری مدد کی جاتی ہے تمھارے کمزوروں کی برکت سے"۔ (مشکوٰۃ شریف)

"مجھے اپنے میں سے کمزوروں میں تلاش کرو" کے معنی یہ ہیں کہ میری اتباع اور پیروی اور رضامندی کمزوروں کی خدمت میں اور ان سے نشست و برخاست اور ان سے میل جول اور ہم نوالہ و ہم پیالہ ہونے میں ہے۔ جو دنیوی لحاظ سے کمزور ہیں لیکن ایمان اور عمل صالح کی دولت سے نوازے گئے ہیں' یہ اللہ کو محبوب ہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نوازنا چاہتے ہیں تو ان کی برکت سے دوسروں پر بھی نوازشیں ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ بے حیثیت اور کمزور ہیں لیکن درحقیقت یہ حیثیت والے ہیں۔

○

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تمھارے پاس چار چیزیں ہوں تو پھر تمھیں دنیا کی کسی چیز کے فوت ہونے کی کوئی پروا نہ ہونی چاہیے۔ (کیونکہ ان چار چیزوں کے ذریعے تمھیں سب کچھ مل گیا ہے) امانت کی حفاظت' سچی بات کہنا' حسن اخلاق اور کھانے میں حرام سے پرہیز (مسند احمد' بیہقی)

حفظ امانت' یعنی اللہ تعالیٰ کے اور بندوں کے حقوق اور ان کی طرف سے عائد ذمہ داریوں کی حفاظت' یہی سارا دین ہے۔ دنیا کا لطف اٹھانے کے لیے انسان جھوٹ بولتا ہے' بدمعاملگی کرتا ہے' اور کمانے کھانے میں حرام کی تمیز نہیں کرتا۔ حالانکہ دنیا کی زندگی کا حقیقی لطف تو سچ بولنے' حسن اخلاق برتنے اور حلال کھانے میں ہے۔ یہ ہو تو پھر کسی اور چیز کے نہ ہونے کی کیا پروا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے خیر کا ارادہ کرتا ہے تو اسی سے کام لیتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہؐ! کس طرح کام لیتا ہے؟ آپ نے فرمایا اسے مرنے سے پہلے عمل صالح کی توفیق دیتا ہے۔ (ترمذی)

عمل صالح کی توفیق زندگی کے کسی مرحلے پر بھی مل سکتی ہے، موت سے پہلے بھی۔ دعوت کا کام کرتے ہوئے کسی سے بھی، کبھی مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ہدایت کا دروازہ موت سے پہلے کسی بھی وقت کھل سکتا ہے۔ توفیق الٰہی کے لیے دعا بھی کرنا چاہیے، اپنے لیے بھی۔

○

حضرت ابوبکرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے سوال کیا یا رسول اللہؐ کون سا آدمی دوسروں سے بہتر ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جس کی عمر طویل ہو اور عمل اچھا ہو۔ پھر پوچھا: کہ کون سا آدمی دوسروں سے برا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: وہ جس کی عمر طویل ہو اور عمل برا ہو" (احمد، دارمی)

عمر تو مقرر ہے، کوشش کرنا چاہیے کہ ہر لمحہ اچھے عمل میں گزرے۔ مختصر عمر میں بھی طویل عمر کا اجر لیا جا سکتا ہے۔

○

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اگر تم چاہو تو میں تمھیں بتلا دوں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے قیامت کے روز سب سے پہلے کیا بات کریں گے اور ایمان والے اللہ تعالیٰ سے سب سے پہلے کیا بات کریں گے۔

ہم نے عرض کیا: ہاں یارسول اللہؐ۔

آپؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے کہیں گے: کیا تم مجھ سے ملاقات کی محبت رکھتے تھے؟

وہ کہیں گے: ہاں اے پروردگار۔

اللہ تعالیٰ پوچھیں گے: کیوں؟

تو وہ جواب دیں گے: ہم تیرے عفو کے امیدوار اور تیری مغفرت کے طلب گار تھے۔

تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: میری مغفرت تمھارے لئے لازم ہو گئی۔ (شرح السنہ)

ملاقات کا شوق کیوں--- تاکہ عفو و مغفرت طلب کر سکیں۔ ملاقات کا شوق زندگی میں حلاوت اور شیرینی گھول دیتا ہے۔ جسے ملاقات کا شوق ہو وہ نافرمانی کے راستے پر نہیں چل سکتا۔ لیکن اس کے باوجود بھی، آسرا، عفو و مغفرت ہی کا ہوتا ہے بلکہ ملاقات پر پہلی بات ہی یہ ہے کہ اس کی طلب ہے، اور اس کی ہی عطا کی خوش خبری دی جاتی ہے۔ اللہ ہمیں آپ کو اپنے ان بندوں میں شامل کر دے۔

روح کی خوشبو

آباد شاہ پوری

(شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی غنیتہ الطالبین کے اہم ابواب کی تلخیص)

شریعت میں ایمان کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی صفات پر یقین رکھنا' فرائض' واجبات اور نوافل ادا کر کے اور برائیوں اور گناہوں سے دامن کش رہ کر عملاً اس کی شہادت دینا۔ نیک کام کرنے سے ایمان بڑھتا اور طاقتور ہوتا ہے اور برے کاموں سے کمزور۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا (الانفال ۸:۲) جب ان کے سامنے آیات الٰہی پڑھی جاتی ہیں' تو ان کے ایمان میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایمان بہت سی قولی اور فعلی صفات پر حاوی ہے اور اسلام کا مطلب ہے زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنا' دل سے اس کی تصدیق کرنا اور پانچوں وقت کی نماز پڑھنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ایمان کی ستر سے زیادہ شاخیں ہیں۔ سب سے بہتر کلمہ توحید ہے اور سب سے ادنیٰ راستے سے ایذا دینے والی چیز کو دور کرنا"۔ سچا مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے اور وہی جنتی ہے۔ انسان کو ہمیشہ اللہ سے ڈرنا اور امید رکھنا چاہیے کہ انجام بخیر ہو۔ ضروری ہے کہ انسان اپنی زندگی خوف خدا اور حسن عمل پر استوار کرے کہ جس قسم کی زندگی ہو گی' موت بھی اسی حالت میں آئے گی اور قیامت کے روز آدمی اٹھے گا بھی اسی حالت میں۔ انس بن مالکؓ راوی ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "اسلام' ایک مضبوط درخت کی طرح ہے۔ اللہ پر ایمان اس کی جڑ ہے۔ پانچوں وقت کی نمازیں اس کی شاخیں ہیں' رمضان کے روزے اس کا پوست ہیں اور حج اور عمرہ اس کا چنا ہوا میوہ۔ وضو اور غسلِ جنابت اس کے لیے پانی کا کام دیتے ہیں۔ ماں باپ کی فرمانبرداری اور صلہ رحمی اس کی چھوٹی چھوٹی شاخیں ہیں"۔

عقائد

ہمارا عقیدہ ہے کہ بندے کے تمام اچھے اور برے اعمال کا خالق اللہ ہی ہے' تاہم اللہ اپنے بندے کو گناہ کے لیے نہیں کہتا (یہ بات اس نے انسان کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دی ہے کہ وہ نیکی کی زندگی اپناتا ہے

یا گناہ کی)۔ اللہ نے رزق بھی اپنے بندوں میں ان کے مقدر کے مطابق تقسیم کر دیا ہے۔ اس سے کم یا زیادہ کوئی نہیں لے سکتا۔ نہ کوئی شخص کسی کا رزق روک سکتا ہے۔ کل کے لیے جو روزی مقرر ہے اسے کوئی شخص آج نہیں کھا سکتا۔

موت کا وقت معین ہے، جو ذرا بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا اور موت جس صورت میں لکھ دی گئی ہے (مثلاً قتل، غرقابی، گر کر یا دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر) اسی طرح آئے گی۔ یہ خیال کہ اگر وہ قتل نہ ہوتا یا گر کر یا ڈوب کر مر نہ جاتا، کوئی درندہ اچک نہ لیتا، تو وہ اور جیتا، اسلامی عقیدے کے خلاف ہے۔ تمام کام اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہیں، کسی اور کا ان پر اختیار نہیں۔ اس کی بادشاہت میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

آخرت اور عذاب و ثواب

آخرت پر ایمان، اسلام کے بنیادی عقائد میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے جزا کا دارومدار اعمال پر رکھا ہے، یعنی جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ جو شے بوئے گا اسی کی فصل کاٹے گا۔ اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں ارشاد ہے: "اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی کے کام نہ آسکے گا، نہ کوئی معاوضہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا، نہ کسی کی کوئی شفاعت فائدہ دے گی"۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: "اے لوگو! اپنے اللہ سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جب باپ اپنے بیٹے کے کام آئے گا نہ بیٹا، باپ کے۔ خدا کا وعدہ برحق ہے (یعنی قیامت آکر رہے گی) پس دنیا کی زندگی سے دھوکا نہ کھاؤ اور نہ خدا سے دور کرنے والے دھوکے میں آؤ"۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا: "اللہ کے عذاب سے ڈرو، اللہ بہت سخت عذاب کرنے والا ہے" نیز فرمایا: "کیا بستی والوں کو یہ خوف نہیں کہ رات کے وقت جب وہ نیند میں ڈوبے ہوئے ہوں، انھیں ہمارا عذاب آلے اور جب وہ لہو و لعب میں مصروف ہوں، ان پر ہمارا عذاب ٹوٹ پڑے"۔ پھر اے عاجز انسان، ان آیات کا تیرے پاس کیا جواب ہے؟ ان پر تو کس حد تک عمل پیرا ہوا؟ کیا تو اپنے نفس کی اغراض اور ناپاک خواہشات سے باز رہا؟ خواہشات، جو دنیا و آخرت میں تجھے ہلاک اور ذلیل و رسوا کر دینے والی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کا طلب گار بن، اچھے رزق اور سکون دل کی درخواست کر۔ اس مقصد کے لیے تقویٰ اختیار کر، اس پر ہمیشہ قائم رہ۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے راہ روشن پر چلنے کی ہدایت کی ہے، واضح دلائل دیے ہیں اور ضمانت دی ہے کہ تیرے گناہ بخش دے گا اور تجھے اجر عظیم عنایت کرے گا۔ دنیا میں بھی اسی کو عزت و وقعت عطا ہوتی ہے اور اسی کا انجام بخیر ہوتا ہے اور وہی درجہ بلند سے نوازا جاتا ہے جو دنیا کی عارضی زندگی پر راضی نہ ہو کیونکہ اعلیٰ اور عمدہ چیزیں، حقیر اور ذلیل باتوں میں ڈوب کر حاصل نہیں کی جا سکتیں۔ جو شخص دنیا، دنیا پرستوں اور دنیا کی ظاہری زیب و زینت کو ترجیح دیتا ہے، پیغمبروں، راست باز لوگوں اور شہیدوں کی رفاقت پسند نہیں کرتا، وہ ہمیشہ خسارے میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "کیا تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی سے زیادہ پسند

کرتے ہو؟" نیز فرمایا: "جو شخص نافرمانی کرتا ہے اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتا ہے اس کا ٹھکانا دوزخ ہے"۔

یاد رکھو! دوزخ میں انسان کفر کے باعث جائے گا۔ عذاب کی کمی بیشی اور دوزخ کے مدارج کا دارومدار برے اعمال اور برے اخلاق پر ہے (دنیا میں انسان کے اعمال و اخلاق جس قدر برے ہوں گے' اسے اسی قدر دوزخ کا برا درجہ ملے گا)۔ اللہ تعالیٰ نے بہشت بنائی اور اپنے نیک بندوں کو اجر اور ثواب سے بہرہ ور کرنے کے لیے اس میں قسم قسم کی نعمتیں فراہم کیں۔ دوزخ پیدا کر کے اسے عذاب سے بھر دیا تاکہ نافرمان بندے سزا پا سکیں۔

امت مسلمہ کا فریضہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ** (آل عمران ۳:۱۱۰) تم بہترین امت ہو جسے انسانوں (کی رہنمائی) کے لیے برپا کیا گیا ہے۔ تم (لوگوں کو) نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوگوں کو نیک کام کرنے کا حکم دو اور برے کاموں سے روکو۔ ایسا نہیں کرو گے تو اللہ ایسے برے اور ظالم لوگ مسلط کر دے گا کہ پھر نیک (ان سے نجات پانے کی) خواہ کتنی ہی دعائیں کریں۔ اللہ کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوں گی"۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: "اگر کوئی شخص گناہ کرتا ہے اور لوگ قدرت رکھنے کے باوجود اسے نہیں روکتے' تو ان پر توبہ کرنے سے پہلے ہی عذاب الٰہی نازل ہو جاتا ہے"۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں' رسولؐ اللہ نے فرمایا: "کوئی شخص کسی منکر (خلاف شریعت کام) کو دیکھے' تو اسے بزور قوت روک دے' اس کی استطاعت نہ ہو' تو اس کے خلاف آواز بلند کرے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو اس کو دل میں برا جانے' مگر یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے"۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پانچ شرائط ہیں: ۱۔ جس کام سے روکے' روکنے والا اس کے بارے میں خوب اچھی طرح جانتا ہو۔ ۲۔ مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اسلام کی تقویت ہو اور پورے اخلاص کے ساتھ یہ فریضہ ادا کیا جائے۔ ریاکاری یا ذاتی مفاد پرستی کا جذبہ کارفرما نہ ہو۔ ۳۔ درشتی اور سختی سے نہیں' نرمی اور بردباری سے روکے اور شفقت کے ساتھ نصیحت کرے۔ ۴۔ صابر' حلیم' متواضع' حوصلہ مند اور نرم مزاج ہو۔ اس راہ میں جو مصائب اور سختیاں پیش آئیں ان پر صبر کرے۔ ۵۔ جس نیک کام کی تلقین کرے اس پر خود بھی عامل ہو اور جس برے کام سے روکے اس سے خود بھی باز رہے۔

انفرادی طور پر کسی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ہو' تو بہتر ہے کہ علیحدگی میں کرے۔ جو نصیحت تنہائی میں کی جائے اس سے آدمی زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ علیحدگی میں نصیحت' انسان کو سنوارتی ہے اور لوگوں کے سامنے نصیحت کا مطلب یہ ہے گویا آپ اس کے عیب بیان کر رہے ہیں۔ تاہم اگر کوئی شخص تنہائی کی

نصیحت پر کان نہیں دھرتا' تو پھر اسے کھلے عام نصیحت کی جا سکتی ہے۔ اس ضمن میں دوسرے نیک لوگوں سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہو تو اسلامی حکومت سے بھی رجوع کیا جا سکتا ہے۔

تقویٰ و خدا خوفی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات ۴۹:۱۳) اللہ کی بارگاہ میں تم میں زیادہ صاحب عزت وہ شخص ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں: "پرہیزگار وہ ہے جو شرک' کبیرہ گناہوں اور بے حیائی سے بچے"۔ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: "تقویٰ یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو کسی سے بہتر نہ جانے"۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک مرتبہ کعب احبارؓ سے پوچھا: "تقویٰ کسے کہتے ہیں؟" انھوں نے جواب دیا: "امیرالمومنین! کبھی آپ کسی ایسے راستے سے گزرے ہیں جس کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں؟" انھوں نے جواب دیا: "ہاں"۔ کعبؓ نے پوچھا: "کس طرح گزرے؟" فرمایا: "کپڑوں کے پھٹنے کے خوف سے دامن سمیٹ کر"۔ کعبؓ نے کہا: "بس یہی تقویٰ ہے"۔ بکر بن عبیداللہ کہتے ہیں جب تک آدمی کا کھانا حرام اور شبہ سے اور اس کا غصہ افراط تفریط سے پاک نہ ہو' وہ متقی نہیں ہو سکتا۔ فضیل بن عیاضؒ کہتے ہیں: "کامل متقی وہ ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہو دوسروں کے لیے اسے اپنے سے زیادہ پسند کرے"۔ مدینہ منورہ کے بعض فقہا نے عبداللہ بن زبیرؓ کو لکھا: "اہل تقویٰ ان علامتوں سے پہچانے جاتے ہیں: "مصیبت نازل ہونے پر صبر کرتے ہیں' خدا کی رضا پر راضی رہتے ہیں' نعمت ملنے پر اللہ کا شکر کرتے ہیں اور قرآن کے احکام پر چلتے ہیں"۔

تقویٰ کی تکمیل دس باتیں اپنائے بغیر ممکن نہیں:

(۱) زبان کو غیبت سے پاک رکھے' (۲) بدگمانی سے بچے' (۳) ہنسی مذاق اور ٹھٹھے سے پرہیز کرے' (۴) حرام کی طرف نہ دیکھے' (۵) حق بات کہے' (۶) اللہ کا احسان مانے' اپنے نفس پر بھروسہ نہ کرے' (۷) اپنا مال مستحق افراد پر خرچ کرے' باطل کاموں پر نہیں' حق کی راہ میں صرف کرے' (۸) بڑا بننے کی خواہش نہ کرے' (۹) پانچوں وقت خوب اچھے رکوع و سجود کے ساتھ نماز پڑھے' (۱۰) سنت رسولؐ کی پیروی کرے اور مسلمانوں کی جماعت میں رہے۔

اخلاص

سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں: "اخلاص یہ ہے کہ آدمی اپنے دین و عمل کو اللہ کے لیے خالص کر دے' اس میں کسی کو شریک نہ کرے' اس کے عمل میں ریاکاری نہ ہو۔ لوگوں کے دکھاوے کے لیے کام کیا جائے تو وہ ریاکاری ہے اور لوگوں کے سبب سے کیا جائے تو شرک۔ اللہ کے خوف سے ان دونوں باتوں سے اجتناب ہی اخلاص ہے"۔ ابو عثمان کہتے ہیں: "اخلاص اپنے خالق کے سوا اور کسی طرف دیکھنے کو بھول جانے

کا نام ہے"۔

توکل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس نے اللہ پر توکل کیا، اللہ اس کے لیے کافی ہے۔ توکل کا مطلب یہ ہے کہ سارے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے جائیں۔ عبداللہ ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "حج کے زمانے میں میری امت کے لوگ مجھے دکھائے گئے۔ میں نے دیکھا ان سے زمین اور پہاڑ بھرے ہوئے تھے۔ مجھے اپنی امت دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی۔ اللہ نے فرمایا: "تمھیں مسرت ہوئی ہے؟" میں نے عرض کیا: "میں خوش ہوں"۔ ارشاد ہوا: "اس جماعت کے ستر ہزار آدمی کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو نہ فال نکالتے ہیں، نہ افسوں پڑھتے ہیں، بلکہ صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں"۔ عکاشہ ابن محصنؓ نے اٹھ کر التماس کی: "اے اللہ کے رسولؐ! میرے لیے دعا فرمایئے، اللہ مجھے بھی ان (خوش نصیب) لوگوں میں شامل کر دے"۔ آپؐ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! عکاشہ کا شمار بھی اسی زمرے میں کر دے"۔ پھر ایک اور شخص کھڑا ہوا اور گزارش کی "میرے لیے بھی دعا فرمایئے"۔ ارشاد ہوا: "اس کام میں عکاشہ تم سے سبقت لے گیا"۔

توکل کے تین درجے ہیں: توکل، تسلیم اور تفویض۔ متوکل انسان، اللہ کے وعدوں سے تسکینِ قلب پاتا ہے۔ صاحب تسلیم، علم الٰہی پر اکتفا کرتا ہے اور صاحب تفویض رضاے الٰہی پر راضی رہتا ہے۔ توکل پہلا درجہ ہے، تسلیم دوسرا اور تفویض سب سے اونچا۔

اخلاق حسنہ

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "آپ کا اخلاق بہت اچھا ہے"۔ انس بن مالکؓ نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا: "مسلمانوں میں ازروے ایمان کون بہتر ہے؟" ارشاد فرمایا: "وہ شخص جس کا اخلاق اچھا ہو"۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا: "لوگو! تم اپنے مال سے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ تمھیں چاہیے کہ فراخ حوصلہ بنو، کشادہ دلی سے کام لو اور جود و کرم کے دروازے کھول دو"۔

امیرالمومنین حضرت علیؓ نے اپنے غلام کو آواز دی۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ دوسری اور تیسری بار پکارا، مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ حضرت علیؓ نے پوچھا: "وہ ہے کہاں؟" پتا چلا لیٹا ہوا ہے۔ فرمایا: "اے غلام! تو نے سنا نہیں؟ میں کب سے تمھیں پکار رہا ہوں"۔ غلام نے جواب دیا: "جناب میں آپ کی آواز سن رہا تھا"۔ حضرت علیؓ نے کہا: "پھر جواب کیوں نہیں دیتا؟" غلام نے کہا: "مجھے آپ سے کوئی آزار پہنچنے کا خطرہ نہیں، اس لیے میں نے غفلت سے کام لیا"۔ آپ نے فرمایا: "جاؤ تمھیں اللہ کی راہ میں آزاد کرتا ہوں"۔

مالک بن دینارؒ کو ایک عورت نے ریاکار کہا، تو آپ نے فرمایا: "اے عورت! تو نے میرا نام خوب پہچان کر رکھا، ارباب بصیرت تو میرے نام سے بے خبر تھے"۔

شکر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراھیم ۱۴:۷) "اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اور زیادہ نوازوں گا"۔ عطا کہتے ہیں میں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا حضور نبی اکرمؐ کی زندگی کے مشاہدات بیان فرمایئے۔ یہ سن کر وہ رو پڑیں اور فرمایا: "حضور کی کون سی بات تعجب خیز نہیں! ایک رات حضورؐ تشریف لائے اور میرے بستر پر آرام فرمانے لگے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: "اے ابوبکرؓ کی لڑکی! مجھے عبادت کرنے کی اجازت دے"۔ میں نے عرض کیا: "اگرچہ آپ کی معیت پسند کرتی ہوں مگر مجھے آپ کی خواہش منظور ہے اور اجازت دیتی ہوں"--- آپ نے مشکیزے سے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگے۔ (نماز کے دوران) اس قدر روئے کہ آنسو سینہ مبارک پر بہنے لگے۔ رکوع میں گئے تو روئے، سجدہ ریز ہوئے تو بھی اشک فشانی کرتے رہے، سجدے سے سر اٹھایا تو اس وقت بھی رو رہے تھے۔ اسی حال میں بلالؓ نے حاضر ہو کر نماز فجر کی اطلاع دی۔ میں نے نبی کریمؐ سے نماز میں اس طرح زار و قطار رونے کا سبب پوچھا اور عرض کیا: "اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیے"۔ ارشاد فرمایا: "کیا میں اللہ کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟"

شکر تین طرح کا ہے۔ زبان سے شکر ادا کیا جائے، اللہ کی نعمتوں کا اعتراف کیا جائے، وفائے عہد، عبودیت اور خدمت گزاری کو اپنایا جائے اور دل کی گہرائیوں میں شکر کے جذبات کی پرورش کی جاتی رہے۔

صبر

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا "اے ایمان والو، صبر کرو اور صبر کی تلقین کرو"۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریمؐ کی خدمت میں عرض کیا: "میرا سارا مال تلف ہو گیا اور میرا جسم بیماری نے لاغر کر دیا ہے۔ فرمایا: "اگر کسی بندے کا مال ضائع نہ ہو، اسے کوئی بیماری یا رنج نہ پہنچے، تو اس میں کوئی نیکی یا خوبی نہیں، کیونکہ اللہ جب اپنے بندے کو دوست بناتا ہے تو اسے (اس دوستی کو گہرا کرنے کے لیے) مصیبت میں ڈال دیتا ہے اور پھر اسے صبر عطا کرتا ہے"۔

صبر کی دو قسمیں ہیں، ایک یہ کہ آدمی احکام الٰہی کی تعمیل میں اور اس راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرے۔ دوسرا یہ کہ انسان پر جو رنج و مصیبت آئے اس پر صبر کرے۔

یہ ہے کہ ایک ہی مسئلے میں مختلف افراد میں اختلاف رائے ہو جاتا ہے۔ بعض پیچیدہ معاملات میں انتہائی خلوص' دیانت داری اور عقل و دانش کے استعمال کے باوجود یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ اس میں نفع کا پہلو راجح ہے یا نقصان کا۔ اس نوعیت کا عقلی و استدلالی اختلاف رائے قانون سازی میں رکاوٹ بنتا ہے۔

۴۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کو قانونی حیثیت اسی صورت میں حاصل ہوتی ہے جب انھیں کسی بااختیار حاکم یا ادارے کی منظوری حاصل ہو یا کوئی بااختیار عدالت انھیں قانون کا درجہ دے کر نافذ کر دے۔ اگر ایسی کوئی چیزان قوانین کو حاصل نہ ہو تو ان کی قانونی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

بنی نوع انسان پر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس نے انسانی غلطیوں کے امکانات کو کم کرنے' انسان کی محدود صلاحیتوں کا دائرہ وسیع کرنے اور انسانی دانش کو جلا بخشنے کے لیے عقلی ہدایت کے ساتھ الہامی ہدایت کا اہتمام بھی فرمایا۔ ایسے برگزیدہ افراد کو ہادی بنا کر بھیجا جو حقیقی حاکم کے احکام انسانوں تک پہنچاتے رہے۔ انھی مقدس ہستیوں میں آخری شخصیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے جن کے ذریعے سے دین کی تکمیل ہو گئی اور نیکی اور بدی میں واضح خط امتیاز کھینچ دیا گیا اور بنی نوع انسان کے لیے ہدایت و شفا کی آخری کتاب نازل کی گئی جس کی تعبیر' تفسیر اور توضیح و بیان کا کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے کیا۔

دین کی تکمیل سے مراد یہ ہے کہ کتاب الٰہی نے وہ تمام ضوابط' اصول اور کلیات بتا دیے جو قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے کافی ہیں۔ الہامی ہدایت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قیامت تک کے غیر محدود جزئی واقعات میں براہ راست رہنمائی کرے' رہنمائی کے دوسرے ذریعے یعنی عقل و دانش کو کلیتاً مسترد کر دینے کے مترادف ہے۔

قرآن اور حدیث نے اصول و کلیات کے ساتھ کئی ایک معاملات میں جزوی قانون سازی بھی کی اور کئی substantive laws بھی دیے جو صدر اول کے ساتھ تمدن کی ضروریات کے لیے کافی تھے لیکن تمدن کے ارتقا کے ساتھ انسانی ضروریات اور مسائل میں اضافہ ہوتا گیا اور ایسی نئی نئی صورتیں پیدا ہوتی گئیں جن کے بارے میں کتاب و سنت میں واضح ہدایات موجود نہیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد وحی کا دروازہ تو بند ہو گیا لیکن امت مسلمہ کسی قانونی بحران سے دوچار نہیں ہوئی۔ قرآن و حدیث میں واضح طور پر اس امر کی ہدایات موجود تھیں کہ اہل علم کو قانون الٰہی کے علل و حکم کا ادراک حاصل کر کے استنباط و استخراج کے ذریعے قانون سازی کرنی چاہیے۔ چنانچہ مسلم فقہا نے بہت قلیل مدت میں ایک مکمل قانونی نظام تشکیل دے دیا۔ اس قانونی نظام کو عوام و خواص میں اعتبار حاصل تھا۔ نیز اس میں وہ لچک اور ارتقا کی صلاحیت پیدا ہو گئی جس نے اسے زمان و مکان کے تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل بنا دیا۔

خدائی قانون اور انسانی قانون

انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں: ثبات اور تغیر۔ زندگی کے بہت سے امور و مسائل ایسے ہیں جن میں تاریخی' جغرافیائی' معاشی اور عمرانی عوامل کسی قسم کی تبدیلی نہیں لاتے بلکہ وہ امور ہمیشہ ایک ہی طرح رہتے ہیں۔ مثلاً بندے اور اس کے رب کے درمیان تعلق یا نسل انسانی کی بقا سے متعلق امور ایسے معاملات ہیں جو تمدن کی تبدیلی سے متاثر نہیں ہوتے۔ اس لیے زندگی کے ثباتی پہلو سے متعلق ایسے قوانین ہونے چاہییں جو تغیر پذیر نہ ہوں بلکہ دائمی اور ابدی ہوں۔ بہت سے امور ایسے ہیں جن میں انسانی تمدن کے ارتقا سے تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں مثلاً حصول معاش کے ذرائع میں تنوع' نظام حکومت کیسا ہونا چاہیے' کسی ملک کے دستور کی ساخت کیسی ہو' عدلیہ' انتظامیہ اور مقننہ کے باہمی روابط کی نوعیت کیا ہو اور قومی یا بین الاقوامی تعلقات کی تفصیلات کیا کیا ہونی چاہییں۔ یہ تمام ایسے امور ہیں جن میں تغیر و ارتقا ناگزیر ہے۔

قرآن حکیم نے جو قوانین دیے ہیں ان میں انسانی زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ایسے امور جن میں تبدیلی رونما نہیں ہوتی' ان کے لیے مفصل اور غیر مبدل قوانین دیے گئے ہیں۔ اور جن معاملات میں تبدیلی کا عمل جاری رہتا ہے ان میں اصولی ہدایات اور قواعد کلیہ دینے کے بعد تفصیلی قانون سازی علما و مجتہدین کے سپرد کی گئی ہے (النسا ۴:۸۳)' تاکہ تمدن کے ارتقا کے ساتھ قانون میں ارتقا کا عمل جاری رہے۔ گویا اسلامی ادبیات میں قانون کی دو قسمیں ہیں: ایک الہامی قانون جس میں ترمیم و تنسیخ اور حک و اضافہ کا کسی فرد بشر کو اختیار نہیں اور دوسرا الہامی قانون سے مستنبط قانون جس کی تخریج و استنباط میں انسانی کاوشیں کارفرما رہی ہیں۔ مستنبط قانون میں انسانی عمل دخل کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف اس میں غلطی کا امکان ہمیشہ رہتا ہے جو اس کے بارے میں مزید بحث و تحقیق کا دروازہ کھولتا ہے تو دوسری طرف وہ ایک متعین زمانے' مخصوص تمدن اور خاص حالات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے قابل تغیر اور تمدن کے پہلو بہ پہلو ارتقا پذیر رہتا ہے۔ اسلامی قانون کی یہی سب سے بڑی خوبی ہے جو اسے کسی دور اور کسی ماحول میں ازکار رفتہ اور سماجی حالات سے الگ نہیں ہونے دیتی بلکہ ہر دور میں اسے زندہ' تازہ اور موجود چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے مستعد رکھتی ہے۔

اسلامی قانون کی یہی خوبی ہے جس نے اسلام کو دائمی اور عالمگیر حیثیت عطا کی ہے۔ یہاں اس کی تفصیل کا موقع ہے نہ ضرورت' البتہ تھوڑی سی مزید وضاحت سے تغیر پذیر اور ناقابل تغیر امور میں قرآن کی قانون سازی کا ایک اجمالی خاکہ ہمارے سامنے آسکتا ہے۔

قرآن حکیم میں تقریباً پانچ سو آیات کا تعلق فقہ و قانون سے ہے جن میں سے نصف سے زائد آیات صرف عبادات (نماز' روزہ' زکوٰۃ اور حج) سے متعلق ہیں۔ چونکہ عبادات تمدنی ارتقا سے متاثر نہیں ہوتیں یا

انھیں متاثر نہیں ہونا چاہیے، اس لیے ان کے بارے میں مستقل، دائمی اور تفصیلی ہدایات دی گئی ہیں۔ اس کے بعد احوال شخصیہ personal laws سے متعلق قوانین ایسے ہیں کہ ان میں تبدیلی کی گنجایش بہت کم ہوتی ہے، اس لیے نکاح، طلاق، عدت، نسب، رضاعت، ولایت، وصیت اور وراثت وغیرہ کے بارے میں قرآن حکیم میں تقریباً ستر آیات ہیں۔ معاشرتی اور مالی قوانین (civil laws) جو باہمی اشترک عمل کے لیے مقرر ہیں مثلاً خرید و فروخت، اجارہ، رہن، کفالہ، عاریتہ، امانت اور ضمانت وغیرہ احکام کے بارے میں بھی تقریباً ستر آیات ہیں۔ معاشرتی اور مالی قوانین (civil laws) جو باہمی اشتراک عمل کے لیے مقرر ہیں، مثلاً خرید و فروخت، اجارہ، رہن، کفالہ، عاریتہ، امانت اور ضمانت وغیرہ کے احکام کے بارے میں بھی تقریباً ستر آیات ہیں۔ جرائم اور ان کی سزاؤں مثلاً قتل، چوری، ڈاکہ، قذف اور بدکاری وغیرہ کے احکام کے بارے میں تقریباً تیس آیات ہیں۔ عدالتی طریق کار مثلاً گواہی، قسم، قانون مزافعہ، اصول محاکمہ اور عدل بین الناس سے متعلق تیرہ آیات ہیں۔ دستوری احکام مثلاً نظام حکومت، حکام اور شہریوں کے باہمی حقوق و فرائض (cons-titutional laws) کے بارے میں تقریباً دس آیات ہیں۔ بین الاقوامی قانون سے متعلق جس میں بین الاقوامی تعلقات، معاہدات اور احکام صلح و جنگ شامل ہیں، پچیس آیات ہیں۔ مالی قوانین (fiscal laws) مثلاً محروم معیشت افراد کے حقوق اور زکوٰۃ و صدقات کے مصارف و محاصل، اغنیا اور فقرا نیز حکومت اور شہریوں کے باہمی مالی تعلقات کے بارے میں تقریباً دس آیات ہیں۔

اس مختصر جائزے سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ قرآن حکیم نے ثبات و تغیر کو کس قدر اہمیت دی ہے۔ عبادات، احوال شخصیہ اور میراث وغیرہ کے مسائل ایسے ہیں جن کے تفصیلی احکام قرآن حکیم میں موجود ہیں کیونکہ ان میں سے اکثر احکام امور تعبدی (religious observance) ہیں جن میں عقل کی در اندازی کی گنجایش کم ہے اور تمدن کے اختلاف سے ان میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ ان کے علاوہ جو احکام ہیں ان میں سے بیشتر کے اصول و ضوابط اور قواعد کلیہ قرآن حکیم نے بیان کیے ہیں اور جزئی تفصیلات سے قرآن نے تعرض نہیں کیا جس کی وجہ یہ ہے کہ ان احکام کا تعلق زیادہ تر، تمدن، معاشرے اور اجتماعی زندگی سے ہے جس میں احوال و کوائف کا اختلاف، وسعت اور گنجایش کا متقاضی تھا چنانچہ قواعد اساسیہ بیان کر کے تفصیلات طے کرنے کی ذمہ داری ان فقہا اور اہل علم پر چھوڑ دی جن کا ان مخصوص حالات سے سابقہ پڑے گا۔

اسلامی قانون کے ماخذ

کسی علم کے ماخذ سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں سے اس کے ضوابط بلاواسطہ اور بنیادی طور پر حاصل کیے جا سکیں۔ جب کسی متعین آیت یا حدیث سے کوئی قانون اخذ کیا جائے تو وہ آیات یا حدیث اس قانون کا ماخذ ہو گی۔ اسی طرح جب کسی مسئلے کا حل کسی قاعدہ کلیہ سے متعین طریقوں کے مطابق مستنبط کیا جائے تو

وہ قاعدہ کلیہ اس حکم کا ماخذ کہلائے گا۔ مسلم علمائے قانون نے اسلامی قانون کے تین ماخذ شمار کرائے ہیں: ۱۔ الکتاب (قرآن حکیم)، ۲۔ السنتہ (حدیث)، ۳۔ اجتہاد (اجماع، قیاس)۔

الکتاب

قوانین اسلامی کا راست ماخذ قرآن حکیم ہے۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ اسلامی قوانین کا اولین اور بنیادی ماخذ ہے۔ یہ آیات اس قدر واضح ہیں کہ ان میں کسی تاویل اور اختلاف رائے کی گنجائش نہیں ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ (النساء ۴:۱۰۵)

ترجمہ: یقیناً ہم نے آپؐ پر کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ نے آپ کو سمجھایا ہے۔ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء ۴:۵۹) پس اگر تم میں باہم کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹاؤ اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ آیات بھی ملاحظہ کیجیے:

"تو کیا یہ لوگ زمانہ جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں اور جو قوم یقین رکھتی ہے اس کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے" (المائدہ ۵:۵۰)۔

"آپ لوگوں کے درمیان اللہ کے اتارے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ کیجیے اور لوگوں کی خواہش پر عمل نہ کیجیے" (المائدہ ۵:۴۸)۔

"حکم تو اور کسی کا نہیں بجز اللہ کے، وہی حق بیان کرتا ہے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے" (الانعام ۶:۵۷)۔

"حکم صرف اللہ ہی کا حق ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے یہی دین مستقیم ہے" (یوسف ۱۲:۴۰)۔

"اور اس کے ساتھ کسی اور کو معبود بنا کر نہ پکارو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کی ذات کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے، حکومت صرف اسی کی ہے اور اسی کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے" (القصص ۲۸:۸۸)۔

"جس چیز میں بھی تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے" (الشوریٰ ۴۲:۱۰)۔

"ایمان والوں کا قول تو یہ ہے کہ جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف کہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو وہ کہہ اٹھتے ہیں، ہم نے سن لیا اور مان لیا" (النور ۲۴:۵۱)۔

بے پناہ اہمیت حاصل ہے۔

قرآن نے کہیں بھی دستوری دفعات اور قانونی شقوں کی کوئی فہرست نہیں دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم خلا میں نہیں، ایک متحرک معاشرے میں ایک زندہ نبی پر نازل ہوا، اور اس نبی کا اولین فریضہ یہ تھا کہ وہ قرآن کی عملی تفسیر پیش کرے (البقرہ ۲:۱۲۹، الاحزاب ۳۳:۲۱)۔ اس لیے قرآن نے صرف عام ہدایات پر اکتفا کیا اور تفصیلات و توضیحات کی ذمہ داری نبی پر چھوڑ دی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اپنے آپ کو کتاب قانون نہیں بلکہ کتاب ہدایت (البقرہ ۲:۲، بنی اسرائیل ۱۷:۹) کہتا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کی ضمانت دیتا ہے اور مسلمانوں کو آپؐ کی سنت کے اتباع کا پابند کرتا ہے۔

قانون سازی کے قرآنی اصول

قرآن حکیم نے قانون سازی کی بنیاد اصولوں پر رکھی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن نے کسی جگہ ترتیب وار ان اصولوں کو گنوا کر انھیں اساس تشریع قرار دیا ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن کے اوامر و نواہی میں غور کرنے اور انسانی مزاج اور طبیعت کو مدنظر رکھ کر مختلف احوال و کوائف کے تغیر و تبدل کا مطالعہ کرنے سے یہ آٹھ اصول تشریع قرآنی میں جاری و ساری نظر آتے ہیں: یہ اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ عدم حرج، ۲۔ قلت تکلیف، ۳۔ تدریج، ۴۔ نسخ، ۵۔ اسباب نزول، ۶۔ اباحت، ۷۔ ازالہ ضرر، ۸۔ معقولیت۔

۱۔ عدم حرج

حرج عربی زبان میں غیر معمولی تنگی کو کہتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حرج کی تفسیر ضیق (confinement) سے کی ہے لیکن اس لفظ کی پوری وضاحت اس بیان سے ہوتی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے دریافت کیا کہ حرج کے کیا معنی ہیں؟ انھوں نے کہا: "کیا تم عربی نہیں ہو جو اس کے معنی پوچھتے ہو"۔ پھر قبیلہ ہذیل کے ایک آدمی کو بلوایا اور اس سے پوچھا: "ما الحرج؟ حرج کے کیا معنی ہیں؟" اس نے جواب دیا: "حرج اس جھاڑی کو کہتے ہیں جس سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو" (لسان العرب ۲:۲۳۴)۔

عربی لغت کے ماہر عالم، زجاج (م ۳۱۱ھ / ۹۲۳ء) کہتے ہیں: "حرج کا لفظ غیر معمولی تنگی کے لیے بولا جاتا ہے" (ایضاً)۔

قرآنی اصول تشریع میں عدم حرج سے مراد یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اوامر و نواہی میں یہ امر ملحوظ رکھا گیا ہے کہ قوانین میں انسانوں کے لیے آسانی اور سہولت کا پہلو ہو، ایسے قوانین نہ ہوں جو انسانی استطاعت سے ماورا اور بشری طاقت سے باہر ہوں۔ قرآن حکیم کی متعدد آیات سے عدم حرج کے اصول کی تائید ہوتی ہے۔

مثلاً:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ (المائدہ ۵:۶)

اللہ یہ نہیں چاہتا کہ تمھیں تنگی میں ڈال دے بلکہ وہ تمھیں پاک صاف کرنا چاہتا ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج ۲۲:۷۸) اللہ نے دین کے معاملے میں تمھیں تنگی میں مبتلا نہیں کیا۔

قرآن حکیم نے ایک مقام پر رسول اکرمؐ کے فرائض نبوت بیان کرتے ہوئے کہا ہے: وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ (الاعراف ۷:۱۵۷) جو بوجھ اور بیڑیاں اب تک ان پر تھیں، وہ اتارے دیتا ہے۔

بوجھ اور بیڑیوں سے مراد وہ تمام احکام و اعمال ہیں جن میں دشواری ہو اور معمول سے زیادہ مشقت اٹھانی پڑے۔

قرآن حکیم نے اس بوجھ اور بیڑیوں کا دوسرے مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس سے مراد مذہبی زندگی کی ناقابلِ عمل پابندیاں، ناقابل فہم عقیدوں کا بوجھ، توہم پرستی، علما اور فقہا کی تقلید کی بیڑیاں اور مذہبی علما کی خدائی کی زنجیریں تھیں جنھیں رسول اللہؐ نے سہل، آسان اور قابلِ عمل شریعت کے ذریعے ختم کر دیا۔

رسول اکرمؐ کی متعدد احادیث مبارکہ سے بھی عدمِ حرج کے اصول پر استدلال کیا گیا ہے۔ ایسی تمام روایات کا استقصا ممکن ہے نہ مطلوب۔ بطور نمونہ چند روایات درج ذیل ہیں:

آپؐ کا ارشاد ہے: "آسان سچا دین ہی اللہ کو محبوب ہے اور میں آسان سچا دین دے کر بھیجا گیا ہوں" (مسند احمد ۶:۱۱۶)۔

نیز فرمایا: "دین بہت آسان ہے، جو شخص دین میں سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آ جائے گا لہٰذا سیدھے رہو اور زیادہ بلند پروازی نہ کرو اور خوش ہو جاؤ (کہ تمھیں آسان دین ملا ہے)" (بخاری، کتاب الایمان)۔

ایک اور موقع پر ایک خوبصورت مثال سے سمجھاتے ہوئے فرمایا: "یہ دین نہایت موزوں اور مضبوط ہے اس کو نرمی کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرو اور زیادہ سختیاں اٹھا اٹھا کر اللہ کی عبادت سے اپنے دل میں نفرت پیدا نہ کرو کیونکہ زیادہ تیز رو مسافر اپنی سواری ہلاک کر دیتا ہے اور منزل طے کرنے سے بھی رہ جاتا ہے" (مسند احمد عن انس بن مالک)۔

آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور معاذ بن جبلؓ کو بعض دینی اور انتظامی امور سپرد کرتے ہوئے ہدایت فرمائی: "آسانی پیدا کرنا، مشکل میں نہ ڈالنا، لوگوں کو رغبت دلانا، انھیں متنفر نہ کرنا، باہمی تعاون کے

جذبے کو ابھارنا، اختلاف نہ ڈالنا" (بخاری، کتاب المغازی، ۳۶۰)۔

ان آیات و احادیث کا یہ مطلب نہیں کہ احکام خداوندی کی بجاآوری میں کسی قسم کی تنگی اور تکلیف اٹھانی پڑے تو ان احکام میں ترمیم و تنسیخ کر دی جائے۔ اگر اس کا یہ مطلب لیا جائے تو انسان کے مکلف ہونے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

فقہائے اسلام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں حرج کی درجہ بندی کی ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ لکھتے ہیں:

"حرج درحقیقت تنگی کو کہتے ہیں۔ وہ مشقتیں جو عادتاً روزانہ کے کام کاج میں ہوتی ہیں حرج میں داخل نہ ہوں گی، لغوی اعتبار سے نہ شرعی اعتبار سے، ورنہ مطلقاً حرج سے گلوخلاصی تو ممکن ہی نہیں۔ کسی نہ کسی درجے میں حرج کا ہونا شرعی حکمت میں داخل ہے تاکہ انسان کی آزمائش ممکن ہو۔ اگر کسی حکم پر عمل درآمد کے نتیجے میں اس سے زیادہ اہم بات میں کوتاہی ہوتی ہے مثلاً کوئی کام کرنے سے ترک واجب یا ارتکاب حرام کی نوبت آتی ہے تو اس نوع کے حرج کو ختم کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک اصول دین کی حفاظت کا تعلق ہے تو وہ انسانی جان اور جوارح پر مقدم ہیں" (شاطبی، ۲:۱۰۹، ۱۵۳)۔

۲۔ قلت تکلیف

قلت تکلیف عدم حرج کا لازمی نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی قوم اور ملت کو تکلیف مالایطاق نہیں دی۔ البتہ امم سابقہ کو گاہے گاہے ایسے امور کا مکلف ضرور کیا جن میں خاصی مشقت اٹھانا پڑتی تھی (الانعام ۶:۱۴۷) امت محمدیہ پر اللہ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ اسے غیر معتاد مشقت سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرہ ۲:۲۸۶) اللہ نے کسی نفس کو اس کی گنجایش سے زیادہ تکلیف نہیں دی۔ اس آیت کی تفسیر میں تمام معروف مفسرین متفق ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنی ہی تکلیف دی ہے جتنی برداشت کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہے اور اسے آسانی سے برداشت کر لیتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ امورِ شرعیہ کی ادائیگی میں اسے انتہائی طاقت اور پورا زور لگانا پڑے (طبری، تفسیر کبیر، ابن کثیر وغیرہ بذیل آیت ۲:۲۸۶)

نیز فرمایا: يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (البقرہ ۲:۱۸۵) اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے، تمھارے لیے دشواری نہیں چاہتا۔

اس سلسلے میں مزید مطالعے کے لیے درج ذیل آیات دیکھیے:

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء ۴:۲۸)۔

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے (پابندیوں کا بوجھ) ہلکا کرے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (البقرہ ۲:۲۸۶)۔

اے ہمارے رب! ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال جیسے تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے۔ اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کے اٹھانے کی ہم میں قوت نہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس دعا کے جواب میں اللہ نے فرمایا: قد فعلت (میں نے کر دیا)۔ (دیکھیے: تفسیر بیضاوی، ابن کثیر بذیل آیت ۲:۲۸۶)۔

قرآن حکیم نے کرید کرید کر باتیں پوچھنے سے منع کیا مبادا کسی شخص کے سوال کے نتیجے میں کوئی مباح چیز حرام کر دی جائے یا کوئی آسانی ختم کر دی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ (المائدہ ۵:۱۰۱)۔

اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ اگر ظاہر کی جائیں تو تمھیں بری لگیں اور اگر پوچھو گے ان کے متعلق جب قرآن اتر رہا ہے تو تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں گی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی دو چیزوں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپ نے ان میں سے آسان ترین کو اختیار کیا جب کہ وہ گناہ نہ ہو" (بخاری، کتاب المناقب ۲۳)۔

ایک موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے فرائض مقرر کر دیے ہیں انھیں ضائع نہ کرو، حدود کا تعین کر دیا ہے ان سے تجاوز نہ کرو، جو چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی پردہ دری نہ کرو، جن چیزوں کے بارے میں بغیر بھولے محض تم پر رحمت کرتے ہوئے خاموشی اختیار کی ہے ان کے متعلق کرید نہ کرو (رازی، تفسیر کبیر، ۱۱:۱۰۶)۔

اسی نوع کی بکثرت آیات و احادیث ہیں جن سے شریعت کا یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ احکام و قوانین میں آسانی اور سہولت کو پیش نظر رکھنا چاہیے نہ کہ ایسی مشقت اور تکلیف کو جس سے انسان کا حوصلہ جواب دے جائے۔ چنانچہ سفر کی حالت میں نماز میں قصر اور روزہ چھوڑنے کی اجازت، پانی نہ ملنے یا استعمال نہ کر سکنے کی صورت میں تیمم اور اضطرار کی حالت میں حرام چیزوں کا حلال ہو جانا اسی اصول پر مبنی ہے (الموافقات ۲:۱۳۲)

دنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں جس کی انجام دہی کے لیے کسی قسم کی تکلیف یا کسی درجے میں بھی مشقت برداشت نہ کرنا پڑے۔ قرآنی تصریحات کے مطابق شریعت کے اوامر و نواہی کا مقصد انسانی زندگی میں نظم و ضبط پیدا کرنا اور نفس کو خواہشات کی پیروی سے باز رکھ کر خوب و ناخوب سے روشناس کرانا اور نیک و بد میں فرق کر کے اخذ و ترک کی بصیرت اور عادت پیدا کرنا ہے۔ یہ کام بجائے خود مشقت کا متقاضی ہے۔ اس لیے فقہا نے قلت تکلیف کے اصول کی وضاحت کی ہے تاکہ دین سہل پسند اور آوارہ منش لوگوں کے ہاتھوں میں بازیچہ اطفال نہ بن جائے چنانچہ مشقت یا تکلیف کی دو قسمیں بتائی گئی ہیں:

۱۔ تکلیف معتاد، ۲۔ تکلیف غیر معتاد

تکلیف معتاد سے مراد ایسی محنت ہے جس سے زندگی میں کسی حالت میں مفر نہیں اور انسان کو اتنی طاقت اور ہمت دی گئی ہے کہ وہ محنت کر سکے۔ مشہور مالکی ماہر قانون امام شاطبی لکھتے ہیں:

"جہاں تک نفس مشقت کا تعلق ہے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو اس سے خالی ہو حتیٰ کہ انسان کو کھانے پینے اور زندگی کے دوسرے معمولات پورا کرنے کے لیے بھی مشقت اٹھانا پڑتی ہے لیکن یہ اس طرح کی مشقت ہے کہ جسے انجام نہ دینے والے کو لوگ سست اور کاہل کہتے ہیں۔ پس یہ مشقت انسان کی عادت میں داخل ہے اور یہ ممکن نہیں کہ شرعی احکام و قوانین کی پابندی میں اس نوع کی مشقت بھی نہ پائی جائے" (الموافقات ۲:۱۲۳)۔

تکلیف غیر معتاد سے مراد ایسی مشقت ہے جو عادت میں داخل نہیں یا اس کی مقدار اتنی زیادہ ہے کہ انسان کے لیے مہلک یا مضر ثابت ہوتی ہے۔ ایسی مشقت کو احکام شرعیہ میں تخفیف اور سہولت سے تبدیل کر دیا گیا ہے۔ تکلیف غیر معتاد کے بارے میں شاطبی لکھتے ہیں: "اگر کام کی نوعیت ایسی ہو کہ اس پر دائمی عمل سے جان و مال کا نقصان ہوتا ہو یا کام کرنے والے کی حالت میں مضر تغیر واقع ہوتا ہو جس سے اسے لازمی طور پر کام چھوڑنے یا اس میں تخفیف کرنے پر مجبور ہونا پڑے تو اس قسم کی مشقت و تکلیف غیر معتاد ہے اور یہی وہ قسم ہے جس کے بارے میں شریعت نے تخفیف و سہولت کی راہیں نکالی ہیں" (الموافقات ۲:۱۰۷-۱۶۷)۔

۳۔ تدریج

قرآن حکیم کا تیسرا اصول، تشریع تدریج ہے۔ قرآن حکیم پورے کا پورا یکبارگی نازل نہیں ہوا بلکہ تقریباً تیئس سال کی مدت میں حسب ضرورت نازل ہوتا رہا۔ جس قسم کی ضرورت درپیش ہوئی اور جس نوعیت کے حالات سے سابقہ پڑا اس کی مناسبت سے احکام نازل ہوتے رہے۔ اس طریق نزول میں بہت سی حکمتیں تھیں جن میں سے کئی ایک کا قرآن (الفرقان ۲۵:۳۲) نے خود ذکر کیا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی

روایت اس ضمن میں غور طلب ہے جس سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ تدریجی نزول میں ایک طرف حالات و زمانے کی رعایت ملحوظ رکھنا مقصود تھی اور دوسری طرف زندگی اور قانون میں باہمی ربط پیدا کرنا۔ وہ فرماتی ہیں:

"پہلے پہل قرآن میں مفصّل (سورۃ الحجرات والناس) کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں جنت اور دوزخ کا ذکر ہے (گویا ترغیب و ترہیب کے ذریعے پہلے لوگوں کا شعور بیدار کرنا مقصود تھا) پھر جب لوگ اسلام پر قائم ہو گئے تو حلال و حرام کے احکام نازل ہوئے۔ اگر پہلے دن ہی یہ حکم نازل ہوتا کہ شراب نہ پیو تو لوگ کہہ اٹھتے، ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے اور اگر ابتدا میں ہی زنا سے باز رہنے کا حکم نازل ہوتا تو لوگ کہتے ہم اس سے باز نہیں آسکتے" (بخاری، فضائل القرآن)۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن حکیم نے معاشرے کی تربیت کا طریق کار اختیار کیا اور اس میں تدریج کو پیش نظر رکھا۔ مکہ معظمہ میں قرآن حکیم کا جو حصہ نازل ہوا اس میں مختلف امور اور معاملات کے اصول موجود ہیں۔ ان کی تفصیلات نہیں ہیں مثلاً عائلی زندگی کی اساسیات کا ذکر مکی دور کی آیات میں موجود ہے لیکن ان پر متفرع ہونے والے احکام نکاح، طلاق، عدت، حقوق زوجین، ہبہ، وراثت اور وصیت وغیرہ کی تفصیلات مدینہ میں نازل ہوئیں۔

حرمت زنا سے متعلق آیات مکہ میں نازل ہوئیں لیکن اس پر جاری ہونے والی حدود اور اس سے متعلق دیگر مسائل مدنی دور میں نازل ہوئے۔ قتل نفس کی حرمت مکہ میں نازل ہوئی اور اس کے بارے میں تفصیلات مدنی زندگی میں آئیں۔

تشریع میں تدریج کی سب سے واضح مثال حرمت خمر ہے۔ اس سے متعلق سب سے پہلی آیت (النحل ۱۶:۶۷) مکہ میں نازل ہوئی جس میں کھجور اور انگور سے حاصل ہونے والی شراب کو رزق حسن کے بالمقابل ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ شراب رزق حسن نہیں بلکہ خبیث شے ہے۔ اس کے بعد دوسری آیت (البقرہ ۲:۲۱۹) میں تحریم خمر کی طرف مزید پیش قدمی کی گئی، پھر تیسری آیت (النساء ۴:۴۳) میں جزوی طور پر شراب کو ممنوع قرار دیا گیا اور آخر میں (المائدہ ۵:۹۰) میں اسے رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ قرار دے کر تاکیداً یہ بتایا کہ شراب صرف حرام ہی نہیں بلکہ ناپاک بھی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجا تو انھیں ہدایات دیں۔ ان میں تدریج کو ملحوظ رکھنے کی رہنمائی ملتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، وہاں پہنچو تو انھیں شہادت توحید و رسالت کی طرف بلانا۔ جب وہ یہ مان لیں تو انھیں بتانا کہ ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ جب اس میں تمھاری اطاعت کر لیں تو ان سے کہنا کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے

جو ان کے اغنیا سے لے کر ان کے فقرا کو دیا جائے گا" (بخاری' الزکوٰۃ' ۱۴۲۵)۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۹۹ھ/۷۱۷ء میں عنان حکومت سنبھالی تو ابھی عہد فاروقی کو گزرے ایک صدی بھی پوری نہیں ہوئی تھی۔ بنو امیہ کے حکمرانوں کی پیدا کردہ خرابیوں کے باوجود عام مسلمانوں کا معیار اخلاق آج کے دور سے کہیں زیادہ بلند تھا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی عدل کے تقاضوں کی تکمیل میں تدریجی طریق کار اختیار کرنا ضروری سمجھا۔ اقتدار ملنے کے بعد ان کے بیٹے عبدالملک نے ان سے کہا: "ابا جان! آپ نے بہت سے ایسے کاموں کو موخر کر دیا ہے جن کے بارے میں میرا خیال تھا کہ اگر آپ گھڑی بھر کے لیے بھی حکمران ہو گئے تو پہلے ان کاموں کو کر گزریں گے۔ میں تو چاہتا تھا کہ جو عدل و انصاف آپ نافذ کرنا چاہتے ہیں' اسے بے دریغ کر دیں' چاہے نتائج کچھ بھی ہوں"۔ آپ نے جواب دیا: "بیٹے! تیری بعض رائیں ہنوز بچگانہ ہیں۔ میں ان کی اس طرح تربیت کرتا ہوں جیسے سرکش اونٹ کو سدھایا جاتا ہے۔ میں انھیں دین کی جس راہ پر لانا چاہتا ہوں اس کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے دنیا کا بھی کچھ فائدہ ہو تاکہ اگر دین کی وجہ سے بدکیں تو دنیوی فائدے کے لیے نرم ہو جائیں اور مجھے ایسی مخالفت سے سابقہ نہ پڑے جس کا مقابلہ کرنا میرے لیے ممکن نہ ہو" (ابن الجوزی ۷۱' ابن عبدالحکم ۵۹)۔

امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے اس انداز تشریع سے یہ اصول اخذ کیا گیا ہے کہ قانون کے اجرا میں تدریجی طریق کار اختیار کرنا چاہیے۔ ابتدائی مرحلے میں قوانین کم ہونے چاہییں اور زیادہ زور تعلیم و تربیت پر دینا چاہیے تاکہ انسان کے اندر سے قانون کی پابندی کا جذبہ پھوٹ پھوٹ کر نکلے۔ قوانین اوپر سے نہ مسلط کیے جائیں پھر جوں جوں فضا تیار ہوتی جائے زندگی کے تمام شعبوں میں شرعی قوانین کا نفاذ کر دیا جائے۔

تدریج کے اصول کو نافذ کرتے ہوئے یہ احتیاط ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ایسے معاملات جن میں قانون کے نفاذ کے لیے پیشگی تربیت کی ضرورت نہیں بلکہ یکبارگی قانون نافذ کیا جا سکتا ہے وہاں بلاوجہ تدریجی طریق کار اختیار کر کے مثبت نتائج کے حصول میں تاخیر نہ کی جائے۔ نیز تدریجی عمل کا مسلسل مطالعہ اور جانچ پرکھ ضروری ہے تاکہ تدریج کا سلسلہ لامتناہی نہ ہو جائے بلکہ بروقت فیصلہ کیا جا سکے۔ جب بھی یہ محسوس ہو کہ اب تربیت کا پہلا مرحلہ مکمل ہو گیا ہے اور حالات دوسرے مرحلے کے لیے سازگار ہیں تو اسے بلا تاخیر نافذ کر دیا جائے۔ بہرحال تدریج کو تربیت کا ذریعہ بننا چاہیے' نفاذ قوانین سے فرار کا نہیں۔

۴۔ نسخ

نسخ کے اصطلاحی معنی ہیں "کسی شرعی دلیل کی بنا پر کسی دینی حکم کا بالکل اٹھ جانا اور ختم ہو جانا"۔ قرآن حکیم میں نسخ کے وجود کے بارے میں علما کے دو گروہ ہیں: علما کی اکثریت امکان نسخ کی قائل ہے جب

کہ ابو مسلم اصفہانی (م ۳۲۲ھ / ۹۳۴م) اور ان کے پیروکار قرآن حکیم میں نسخ کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں۔ دور حاضر کے علما کی ایک جماعت بھی قرآن میں امکان نسخ کی قائل نہیں ہے۔ منکرین نسخ کی دلیل یہ ہے کہ اگر نسخ فی القرآن کو تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ بات ماننا پڑتی ہے کہ اللہ کو بعد میں کوئی بات سوجھی تو اس نے پہلے حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم نازل کر دیا' لیکن یہ دلیل چنداں وقیع نہیں ہے۔ کیوں کہ جس قوم اور جن افراد کے لیے احکام نازل ہوتے ہیں ان کے حالات تغیرپذیر ہوتے ہیں اس لیے حالات کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی آتی ہے۔ سابقہ شریعتوں کے نسخ سے وجود نسخ پر استدلال کیا جاتا ہے لیکن اس سے زیادہ سے زیادہ قرآن میں نسخ کا امکان ثابت ہوتا ہے۔ وقوع نسخ صرف روایت سے ثابت ہو سکتا ہے' درایت سے نہیں۔ اس لیے اس کے ثبوت کی تین صورتیں ممکن ہیں:

۱۔ قرآن حکیم میں اس مضمون کی کوئی آیت موجود ہو کہ فلاں حکم جو پہلے تھا' اب منسوخ کر دیا گیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "میں نے تمھیں قبروں پر جانے سے روک دیا تھا' اب تم جا سکتے ہو"۔ (مسلم' الجنائز ۱۰۶)۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے۔

بعض آیات جن میں نسخ کا شبہ ہوتا ہے ان میں قرآن حکیم نے نسخ کے بجائے تخفیف اور سہولت کا لفظ استعمال کیا ہے (تفصیل کے لیے: الانفال ۸: ۶۵-۶۶ نیز المزمل ۷۳: ۲۰)

گویا ان صورتوں میں قرآن نے حالات کی رعایت کی ہے' مطلقاً حکم منسوخ نہیں کیا' بلکہ کسی قدر نرمی پیدا کر دی گئی ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی واضح حکم موجود ہو کہ فلاں آیت اب منسوخ کر دی جاتی ہے۔ ایسا بھی کوئی حکم نہیں ہے۔

۳۔ بعض آیات کے احکام باہم متعارض ہوں اور ان میں توفیق (reconciliation) ممکن نہ ہو۔ نسخ فی القرآن کی بحث اسی تیسری صورت کی بنیاد پر ہوئی ہے۔

آیات میں تعارض کی صورت میں ہمیشہ نسخ ہی کا قول نہیں کیا جاتا بلکہ تعارض رفع کرنے کے اور حل بھی ہیں مثلاً جہاں قرآن کی کسی آیت سے دوسری آیت کا حکم جزوی طور پر متاثر ہوا ہو' اسے تنسیخ کے بجائے تخصیص' تقیید یا استثنا کہتے ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھی اور مفتی محمد عبدہ سمیت کئی ایک اہل علم کی رائے یہ ہے کہ قرآن حکیم میں امکان نسخ کے باوجود ایسا کوئی تعارض موجود نہیں ہے جس میں تطبیق' توجیہ یا توفیق ممکن نہ ہو۔

اگر ہم مسئلہ نسخ کو درایت کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو یہ بات بے معنی سی ہے کہ کوئی حکم موجود ہو اور اس کے بارے میں آیت اٹھالی گئی ہو یا آیت موجود ہو اور اس کا کوئی عملی فائدہ نہ ہو۔ اور اس کے حکم پر

کسی حالت میں عمل کرنے کی صورت نہ ہو، اس لیے جدید دور کے مفسرین نسخ کو تشریع کے تدریجی اور ارتقائی عمل کے مراحل کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔

اس بحث سے یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ نسخ کا اصول اپنی اہمیت کے باوجود قرآن کے اصول تشریع کا جزو نہیں بن سکتا بلکہ حالات کے تغیر، نئے پیش آمدہ مسائل کی گوناگونی اور مسائل کے نئے گوشوں کے سامنے آنے کے باعث اس نقطہ نظر کو تقویت ملتی ہے کہ قرآن میں کوئی ایسا تعارض نہیں جس کے لیے نسخ کا قول کرنا پڑے۔ ارشاد ربانی: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا (النساء ۴: ۸۲) کیا وہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے اگر وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے۔

۵۔ اسباب نزول

قرآن حکیم تقریباً تئیس سال میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہوا۔ اس میں مختلف واقعات پر تبصرے، مشکلات کے حل میں رہنمائی، سوالات کے جوابات اور اسی نوعیت کی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو تاریخی پس منظر رکھتی ہیں۔ درحقیقت وحی انسان کی کسی ذہنی کجی، فکری گمراہی یا عملی خرابی کی نشان دہی کرتی ہے اور جس واقعہ پر تبصرہ ہو رہا ہوتا ہے وہ انسان کی اسی کجی اور کمزوری کا ایک مظہر ہوتا ہے (الفوز الکبیر، باب ۲)

بعض مفسرین نے شاید یہ سمجھ لیا کہ قرآن حکیم کی تقریباً ہر آیت کسی واقعہ اور سبب پر نازل ہوئی ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی ہر آیت سبب نزول سے وابستہ نہیں۔ سبب نزول کے نقطہ نظر سے قرآن کا مطالعہ کیا جائے تو تین قسم کی آیات سامنے آتی ہیں۔

۱۔ بعض آیات ایسی ہیں کہ سبب نزول جانے بغیر ان کو سمجھنا ممکن نہیں۔ آیت کے الفاظ بار بار پکار کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی تاریخی پس منظر ہے مثلاً وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّہَا لَکُمْ (الانفال ۸: ۷) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک پر تمھیں غلبہ حاصل ہو جائے گا۔

آیت یہ بتاتی ہے کہ کہیں کوئی دو گروہ تھے، ان کے بارے میں کوئی وعدہ تھا، جس کی تفصیل قرآن حکیم میں موجود ہے۔ اسی طرح اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَۃِ الدُّنْیَا وَھُمْ بِالْعُدْوَۃِ الْقُصْوٰی (الانفال ۸: ۴۲) جب تم قریب کے ٹیلے پر تھے اور وہ دور کے ٹیلے پر۔

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ آیت کسی تاریخی واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

۲۔ کچھ آیات ایسی ہیں کہ ان کا تاریخی پس منظر ہوتا ہے اور اگر وہ پس منظر معلوم ہو جائے تو آیت کی وضاحت ہو جاتی ہے لیکن اگر پس منظر نہ معلوم ہو تو بھی آیت کا اجمالی مفہوم اور قرآنی حکم کی روح سمجھ آ جاتی ہے۔ مثلاً وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیْبًا (الانعام ۶: ۱۳۶) اور انھوں نے بنا رکھا ہے اللہ

کے لیے اس سے جو وہ پیدا کرتا ہے فصلوں اور مویشیوں سے مقرر حصہ۔

اسی طرح: مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ (المائدہ ۵:۱۰۳)
نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ وغیرہ آیات میں عربوں کی رسوم کا ذکر ہے۔ اگر یہ رسوم ہمیں معلوم ہوں تو آیات کا مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور اگر نہ معلوم ہو سکیں تب بھی آیات کا مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۳۔ بے شمار آیات جن کا تعلق عقائد، عبادات، تاریخی واقعات، موت اور مابعد الموت کے حالات سے ہے، ان کا کوئی متعین سبب نزول نہیں ہوتا۔ ان کا پس منظر بیان کرنا محض تکلف ہے۔ معاشرے کے عمومی حالات ہی ان آیات کے نزول کے متقاضی ہوتے ہیں۔

اسباب نزول کے سلسلے میں ایک اہم بحث یہ ہے کہ جو آیات تاریخی پس منظر کے ساتھ وابستہ ہیں، کیا ان میں عموم الفاظ کا اعتبار ہو گا یا خصوصی موارد کا۔ اس سلسلے میں تمام صحابہ اور امت مسلمہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ خصوصی سبب کا اعتبار نہیں ہو گا بلکہ عموم اطلاق کا اعتبار ہو گا۔ یعنی قرآن حکیم اگر عرب کے معبودان باطل اور ان کے معاشرے میں رائج مشرکانہ رسوم کی تردید کرتا ہے تو اس سے شرک کی تردید عام مراد ہو گی۔ اس کا مظہر خواہ کچھ بھی ہو کیونکہ خصوصی سبب عموم اطلاق کو مانع نہیں ہے۔ (جاری)

افراط آبادی--- نعمت یا آفت؟

پیٹر بائیور

ترجمہ: سجاد احمد ثاقب

افراط آبادی' ایک نعمت ہے یا آفت؟ افراط آبادی کا مطلب شرح اموات اور شرح پیدائش کے درمیان عدم مطابقت ہے۔ شرح اموات میں کمی کا مطلب مدت حیات میں اضافہ ہے۔ لہٰذا آبادی میں اضافے کو موت پر زندگی کی فتح کے طور پر لیا جا سکتا ہے۔ اس بنا پر آبادی میں اضافہ ایک نعمت ہے نہ کہ آفت۔ اور یہی وجہ ہے کہ لوگوں کی اکثریت اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو زیادہ عرصے تک زندہ رہتے ہوئے دیکھنا پسند کرتی ہے۔

لاکھوں کی رقم اور سیاست دانوں اور ماہرین کے قیمتی اوقات کار میں سے ہزاروں گھنٹے اقوام متحدہ کی ایسی کانفرنسوں پر خرچ ہو جاتے ہیں جن کی بنیادی وجہ غلط ترین مفروضوں میں سے ایک ہے--- یعنی دنیا کی آبادی کنٹرول سے باہر ہوتی جا رہی ہے۔ عالمی برادری آبادی میں اس اضافے کو مکمل تباہی' تیسری دنیا کے ممالک کی مشکلات کی سب سے بڑی وجہ اور انسانی ماحول اور انسانی زندگی کے لیے ایک خطرہ سمجھتی ہے۔ اسے ایک بدیہی حقیقت کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تیسری دنیا کی غربت کی وجہ آبادی کا دباؤ نہیں ہے۔ معاشی استحکام اور ترقی کا انحصار لوگوں کی تعداد کی بجائے ان کی محنت پر ہوتا ہے۔ اصل فیصلہ طلب بات یہ ہے کہ بچوں کی تعداد کا تعین بچوں کے والدین کو کرنا چاہیے یا یہ حق حکومت کے اہلکاروں کو تفویض کر دیا جائے۔ افراط آبادی کے خطرے کی دہائی دینے والے افراد میں سے ایک نہایت اہم فرد امریکہ کے سابق سیکرٹری دفاع اور ورلڈ بنک کے سابق سربراہ' رابرٹ میکنامارا ہیں جنھوں نے اس بات کو مختصر الفاظ میں یوں پیش کیا ہے: "تیسری دنیا کے عوام کی معاشی اور سماجی ترقی میں سب سے بڑی اور واحد رکاوٹ آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہے۔ آبادی میں اس بے تحاشا اضافے سے پیدا ہونے والا خطرہ ایک نیوکلیئر وار کے خطرے سے کسی طور بھی کم نہیں ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے اندیشے بالکل بے بنیاد ہیں۔

صدیوں تک مختلف تہذیبوں اور طبقات کی ایک بڑی اکثریت میں بچوں کی نعمت سے سرفراز ہونے کی شدید خواہش موجود رہی ہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد دو یا دو سے زیادہ بچوں کی سن بلوغ تک پرورش کی مشقت کو برداشت کرنے پر بخوشی تیار رہتی ہے۔ اس سلسلے میں رائج الوقت تصورات ان فوائد کے آئینہ دار ہیں جن کی توقع والدین کو اپنے بچوں سے ہوتی ہے۔

بائبل کا حکم تو یہ ہے کہ لوگوں کے لیے نافع بنو اور اپنی تعداد بڑھاؤ۔ ہندستان میں دلہنوں کو دی جانے والی یہ روایتی دعا مغرب میں زیادہ معروف نہیں ہے: "خدا کرے تم آٹھ بچوں کی ماں بنو"۔ بچوں کو متبنیٰ بنانے (adoption) کی روایت اور مصنوعی ذرائع سے ولادت کا رجحان بھی والدین میں بچوں کی خواہش کی موجودگی کا پتا دیتے ہیں۔

ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ تیسری دنیا اور خصوصاً انتہائی غریب ممالک میں بچوں کی بے تحاشا پیدائش کا نتیجہ انتہائی پست معیار زندگی کی صورت میں نکلتا ہے جو انسانی زندگی کے شایان شان نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب ہے کہ چند مال دار مغربی تجزیہ نگار دوسرے لوگوں کی خوشیوں اور دکھوں کے مکمل ادراک کی اہلیت رکھتے ہیں اور اس سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ لوگوں کے نزدیک ان کی اپنی زندگی اور وجود کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ بات انتہائی دور رس اخلاقی سوالات کو جنم دیتی ہے اور اکثر لوگوں کے لیے اخلاقی طور پر بھی قابل قبول نہیں ہے، کجا کہ انسانی افزایش اور تولید پر جبری پابندیاں عائد کی جا سکیں۔

اس حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے کہ غریب ترین افراد بھی جینے کو مرجانے پر ترجیح دیتے ہیں۔ سادہ مشاہدہ اور سوجھ بوجھ سے بھی ہمیں یہ بات بخوبی معلوم ہو جاتی ہے کہ اس عالم خاکی میں انتہائی مصیبت زدہ افراد بھی اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لیے جدوجہد جاری رکھتے ہیں، وہ طبی امداد کے حصول کے لیے سرگرداں نظر آتے ہیں۔ اس لیے افراط آبادی کے جس خطرے پر سخت تشویش کا اظہار کیا جاتا ہے، اس کی اصل حقیقت شرح اموات میں کمی اور انسانی زندگی کی فلاح و بہبود میں مزید بہتری ہے۔

ایسے تمام افراد جو ضبط ولادت کی ریاستی پالیسی کی حمایت کرتے ہیں انھوں نے یہ فرض کر رکھا ہے کہ ایسے ممالک کے عوام جہاں شرح پیدائش بہت زیادہ ہے، مانع حمل ادویات کے بارے میں نہیں جانتے اور اپنے طرز عمل کے دور رس اثرات کا ادراک بھی نہیں رکھتے حالانکہ تیسری دنیا کے اکثر باشندے ضبط ولادت کے طریقوں سے مکمل طور پر آگاہ ہیں اور ان کو اپناتے بھی ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ایسے بہت سے معاشروں میں، جن کی شرح پیدائش زیادہ تھی اور جو ہم عصر تیسری دنیا کے معاشروں سے زیادہ پسماندہ تھے، برتھ کنٹرول کے روایتی طریقے وسیع پیمانے پر اپنائے جاتے رہے ہیں۔

مغرب کی سستی اشیا تیسری دنیا کے ممالک میں کئی دہائیوں سے معروف ہیں مگر کنڈوم اور مانع حمل گولیاں یہاں بڑی سست رفتاری سے پھیل سکی ہیں حتیٰ کہ اس وقت بھی یہ وسیع پیمانے پر نہ پھیل سکی تھیں جب ان کے فروغ کے لیے ایک بھاری امداد مہیا کی جانے لگی تھی۔ اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان ممالک میں ان کنڈوم اور مانع حمل ادویات کی طلب بہت کم رہی ہے اور عام طور پر یہاں کے عوام میں بچوں کے حصول کی شدید خواہش موجود ہے۔ مگر آبادی میں اضافے کا خوف ہمیں ایک غلط طرز عمل اپنانے پر مجبور کرتا ہے۔ دنیا کے غریب ترین ممالک میں کچھ ایسے ممالک بھی شامل ہیں جو بہت کم گنجان آباد ہیں۔ مثلاً ایتھوپیا' یوگنڈا اور زائرے وغیرہ اور یہی وہ ممالک ہیں جہاں قحط کا دور دورہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس تیسری دنیا کے انتہائی گنجان آباد ممالک حد درجہ خوشحال ہیں جن میں ہانگ کانگ' سنگاپور اور ملائشیا شامل ہیں اور یہاں پر قحط کا کوئی سوال نہیں ہے۔ دنیا کے غریب ترین ممالک میں ایک وسیع رقبہ ابھی تک استعمال کے لیے دستیاب ہے۔

خوشحالی کا انحصار لوگوں کی تعداد اور قدرتی وسائل کے بجائے ان کے طرز عمل پر ہوتا ہے۔ معدنی ذرائع صرف ان لوگوں کے لیے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوتے ہیں جو ان کو دریافت کرتے ہیں یا زمین سے نکالتے ہیں۔ سولھویں صدی میں لاطینی امریکہ میں دریافت کیے جانے والے سونے اور چاندی کے ذخائر اور موجودہ دور میں تیل پیدا کرنے والے ممالک کی بیش بہا دولت' قدرتی وسائل کے نتیجے میں حاصل ہونے والی خوشحالی کی مثالیں ہیں مگر امریکہ کی قیمتی دھاتوں کا کولمبس سے پہلے تک امریکہ کی معاشی ترقی کو تیز کرنے میں کوئی کردار نہیں تھا اور نہ ان پر قابض ہو جانے نے سپین میں طویل المدت ترقی کو یقینی بنا دیا تھا۔

بیسویں صدی میں مشرق وسطیٰ کے تیل کے ذخائر اس وقت تک بالکل بے قدر و قیمت تھے جب تک مغرب نے انھیں دریافت نہیں کیا تھا اور ان سے بھرپور استفادہ نہیں کیا تھا اور کوئی بہت غیر محتاط ماہر معاشیات ہی یہ پیش گوئی کرے گا کہ یہ وسائل ایک پایدار اور طویل مدتی خوشحالی کی ضمانت دیتے ہیں۔

اس بات پر کافی شواہد موجود ہیں کہ آبادی میں تیز رفتار اضافہ مغرب یا تیسری دنیا کی معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہیں ہے۔ مغرب کی آبادی اس آبادی سے چار گنا سے بھی زیادہ بڑھ چکی ہے جو اٹھارویں صدی کے وسط تک تھی جب کہ فی کس آمدنی میں حقیقی اضافے کا تخمینہ پانچ گنا تک کیا جاتا ہے اور اس آمدنی میں بھی زیادہ تر اضافہ اس وقت ہو رہا تھا جب مغرب کی آبادی اسی رفتار سے بڑھ رہی تھی جس رفتار سے آج تیسری دنیا کے بیشتر ممالک میں بڑھ رہی ہے بلکہ بعض مواقع پر مغرب کی آبادی میں اس سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے اضافہ ہو رہا تھا۔

تیسری دنیا کے ممالک کی آبادی میں اضافہ عام طور پر تیز رفتار مادی ترقی سے ہم آہنگ رہا ہے۔ دوسری

جنگ عظیم کے وقت کے بہت سے ایسے ممالک جو غیر ترقی یافتہ سمجھے جاتے تھے کئی دہائیوں سے اپنی آبادی میں تیز رفتار اضافے کو آخر کار اپنی شاندار معاشی ترقی سے ہم آہنگ کر چکے ہیں۔ ان ممالک میں تائیوان، ہانگ کانگ، ملائشیا، کینیا، آئیوری کوسٹ، میکسیکو، کولمبیا اور برازیل قابل ذکر ہیں۔ کسی ملک کی معاشی ترقی میں ذاتی (personal)، ثقافتی اور کئی سیاسی عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور معاشی ترقی کا انحصار عوام کی صلاحیتوں، رویوں، مقاصد اور اس ملک کے سماجی اور سیاسی اداروں پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ پروفیسر جولیان سائمن (Julian Simon) نے اپنی کتاب (The Ultimate Resource) میں بتایا ہے کہ کامیابی کے حصول اور ترقی میں فیصلہ کن عنصر انسانی ذہانت ہے۔ جب تک یہ انسانی ذہانت کمزور نہیں پڑتی، لوگ اپنی حفاظت خود بخود کرتے رہیں گے۔

(لندن، اسکول آف اکنامکس کے پروفیسر مسٹر بائیور کا یہ مضمون دی ٹائمز لندن کی ۱۶ اگست ۹۵ کی اشاعت میں شائع ہوا)

اخبارِ اُمّت

الجزائر میں عام انتخابات کی تیاریاں

محمد ظہیر الدین بھٹی

الجزائر میں دستور ساز اسمبلی کے لیے عام انتخابات ۵ جون ۱۹۹۷ کو منعقد ہو رہے ہیں۔ گذشتہ انتخابات ۱۹۹۱ میں ہوئے تھے جن میں تحریک اسلامی کو زبردست کامیابی ملی تھی مگر یورپی آقاؤں کی خوشنودی کی خاطر انھیں حکومت بنانے سے روک دیا گیا۔ اس وقت الجزائر میں دستوری ترمیمات کے بعد صدر کو وسیع اختیارات حاصل ہیں۔ چند ہفتے پہلے سیاسی پارٹیوں اور انتخابات کے بارے میں قانون جاری کیے گئے تاکہ حکمران ٹولہ اپنے کو مسلط رکھنے کے منصوبے پر عمل کر سکے۔ الجزائر کی آزادی کے بعد پہلی مرتبہ یہ قانون لاگو کیا گیا ہے کہ کوئی سیاسی پارٹی' سیاسی مقاصد کے لیے اسلام کا نام استعمال نہیں کر سکتی۔ سیاسی پارٹیوں کے اس قانون سے آئین کی دفعہ ۳ کی خلاف ورزی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اسلام مملکت کا دین ہے۔ اسی طرح یہ دفعہ ۹ کی شق ۳ کے بھی خلاف ہے جس کی رو سے مملکت کے ادارے دین اسلام اور انقلاب نومبر کے اصولوں کا احترام کریں گے۔ اس نئے قانون سے دفعہ ۴۲ کی شق ۲ کی بھی خلاف ورزی ہوتی ہے جس کی رو سے تمام پارٹیوں کا فرض ہے کہ وہ وطنی تشخص' اسلام اور آزادی کا تحفظ کریں۔ یہ بات خوش آیند ہے کہ الجزائر کی مجلس دستور نے ۶ مارچ ۹۷ کو پارٹیوں اور انتخابات سے متعلق دونوں قوانین منسوخ کر دیے ہیں اس لیے کہ یہ نئے قوانین مملکت کے بنیادی اصولوں سے متصادم تھے۔ اس اقدام پر سیکولر اور دینی جماعتوں نے اپنے اپنے موقف کا اظہار کیا ہے۔ "محاذ آزادی" اور "حرکۃ حماس" نے اسے ایک درست اقدام قرار دے کر اپنے اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ "حرکۃ النهضۃ الاسلامیۃ" کے صدر شیخ عبداللہ جاب اللہ نے کہا ہے کہ یہ اقدام دستور اور وفاق دونوں کے عین مطابق ہے۔ انھوں نے امید ظاہر کی ہے کہ قانون کی بالادستی اور ملک کے آئین کے احترام کے لیے مزید اقدامات کیے جائیں گے تاہم بربری پارٹی "التجمع من اجل الثقافۃ والدیمقراطیۃ اتحاد برائے ثقافت و جمہوریت نے (جس کے قائد ڈاکٹر سعید سعدی ہیں) مجلس دستور کے اس اقدام کی مخالفت کی ہے۔ سابقہ حکومت کے سربراہ التحالف الوطنی پارٹی کے موجودہ سربراہ رضا

مالک نے کہا ہے کہ مجلس دستور کی یہ رائے اسلامی جماعتوں کے مفاد میں ہے۔ "جبهة القوى الاشتراكية" نے مجلس دستور کے اس عمل کو رجعت پسندانہ قرار دیا ہے۔ سیاسی ذرائع نے اس اقدام کو اعتدال پسند اسلامی عناصر کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش قرار دیا ہے۔

حركة النهضة الاسلامية کے سربراہ شیخ عبداللہ جاب اللہ نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ہم الیکشن میں بھرپور حصہ لیں گے، کسی دوسری سیاسی پارٹی سے انتخابی اتحاد کی صورت میں ہم اپنے اصولوں سے نہیں ہٹیں گے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا انتخابات کے نتیجے میں الجزائر کے بحران کا خاتمہ ہو جائے گا تو انھوں نے کہا: "اگر انتخابات دیانت دارانہ اور غیر جانب دارانہ ہوئے تو اس سے بحران کے حل میں مدد ملے گی۔ ایک قومی کمیٹی انتخابات کو دیانت دارانہ بنانے کے کام کی نگرانی کرے گی۔ غیر ملکی پریس اور تنظیموں کے نمایندے بھی آئیں گے مگر ۲۰۰ غیر ملکی مبصرین تین لاکھ سے زیادہ پولنگ اسٹیشنوں پر کیسے نظر رکھ سکیں گے؟ اگر حکومت کی ساری مشینری اور تمام سیاسی پارٹیاں غیر جانب دارانہ الیکشن کروانے کا تہیہ کرلیں تو پھر ہمیں غیر ملکی مبصرین کی رپورٹوں کی پروا نہیں ہو گی"۔ تحریک اسلامی کے سربراہ نے کہا کہ "قانون کے نفاذ اور انتخابات کو آزادانہ اور دیانت دارانہ بنانے کے لیے اصل کام تو مقامی حکام کو کرنا ہے۔ یہ لوگ ان قوانین پر عمل نہیں کر رہے، اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کر رہے ہیں اور تحریک اسلامی کے راستے میں روڑے اٹکا رہے ہیں۔ حکام اپنے طرز عمل سے بحران کو گمبھیر بنا رہے ہیں۔ مرکزی حکومت کو ان باتوں کا نوٹس لینا چاہیے اور اپنے اختیارات استعمال کر کے اوچھی حرکتوں کی روک تھام کرنی چاہیے ورنہ عوام انتخابات اور ان کے نتائج کو تسلیم نہیں کریں گے اور موجودہ بحران پہلے سے زیادہ پیچیدہ ہو جائے گا"۔

شیخ عبداللہ سے جب حکومت کی تائید سے بننے والی نئی پارٹی' جمہوری قومی اتحاد کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: "اصولی طور پر تو ہر گروہ کو پارٹی بنانے کا حق حاصل ہے۔ اسی طرح مجلس الوطنی کے سربراہ کو بھی حق ہے کہ وہ کسی پارٹی کا صدر بن جائے مگر اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ یہ پارٹی انتظامیہ کے تعاون اور مملکت کے وسائل سے استفادہ کرے۔ الجزائر کسی ایک شخص یا پارٹی کی ذاتی جاگیر نہیں ہے۔ اس پارٹی کے ساتھ بھی وہی رویہ رکھا جائے جو دیگر جماعتوں کے ساتھ ہے۔ اس پارٹی کے ساتھ تمام سطحوں پر کیوں مخصوص عنایات کی جا رہی ہیں؟" شیخ عبداللہ نے کہا کہ "اگر انتخابات دیانت دارانہ اور غیر جانب دارانہ ہوئے تو موجودہ پارٹیوں کی اکثریت قومی سطح پر ابھرنے سے قاصر رہے گی، اسلامی بلاک کو واضح کامیابی ہو گی اس لیے کہ الجزائر کے عوام پکے اور سچے مسلمان ہیں۔ وہ ماضی میں دیگر گروہوں کی حکومت کا تلخ تجربہ کر چکے ہیں جس سے انھیں سوائے حسرت و ناکامی کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اب انھیں کسی ایسی قیادت کا انتظار ہے جو ان کی توقعات پر پوری اترے اور ان کی آرزوؤں کو عملی جامہ پہنائے"۔

قومی جمہوری اتحاد کے سربراہ عبدالقادر بن صالح نے ۱۵ مارچ کو اعلان کیا ہے کہ الجزائر کے صدر الیامین زروال ان کی پارٹیوں کی پالیسیوں کا ایک معتمد مظہر ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان کی جماعت کی تاسیسی کانفرنس اپریل کی ۳ اور ۴ تاریخ کو ہوگی اور وہ ملک کے ۴۸ صوبوں میں اپنے دفتر کھولیں گے۔ انھوں نے اپنی پارٹی کے مستقبل کو درخشاں قرار دیا۔ وہ آیندہ انتخابات میں اپنی کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔

محاذ آزادی (جبھة التحریر) اپنے داخلی اختلافات کو حل کرنے میں مصروف ہے۔ اس پارٹی میں دو گروہ ہیں، ایک اصلاح پسند گروپ ہے جس کی قیادت سابق صدر الجزائر مولود حمروش کر رہے ہیں اور ایک قدامت پسند گروہ ہے جس کی سربراہی سیکریٹری بوعلان بن حمودہ کے ہاتھ میں ہے۔ آیندہ دنوں میں پارٹی کا اجلاس ہونے والا ہے جس میں اسے اپنے اندرونی اختلافات ختم کرنے کا موقع ملے گا۔

ادھر الجزائر کی وزارت داخلہ نے تمام پارٹیوں کو خطوط بھیجے ہیں اور انھیں جدید قوانین پر عمل کرنے کے لیے کہا ہے۔ وزیر داخلہ مصطفیٰ بن منصور کے دستخطوں سے ارسال کردہ ان خطوط میں پارٹیوں سے کہا گیا ہے کہ وہ ۶ مئی کی تاریخ سے پہلے اپنی پارٹیوں کے نام، کوائف، مقاصد اور پارٹی کے بنیادی اصولوں میں ترامیم و اصلاح کرلیں۔ مقننہ کے انتخابات کے لیے کاغذات نامزدگی وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۱ اپریل مقرر کی گئی ہے۔

الجزائر کے اخبار "الخبر" نے مجلس قانون ساز کے انتخابات کے انعقاد سے اڑھائی ماہ قبل ایک عوامی جائزہ اپنی ۲۳ مارچ کی اشاعت میں شائع کیا ہے۔ یہ جائزہ ۷ اور ۱۳ مارچ کے درمیان لیا گیا۔ عوام سے معلوم کیا گیا کہ وہ اپنا ووٹ ڈالنے کے لیے ۵ جون ۹۷ کو پولنگ بوتھ پر جائیں گے؟ ۱۴٫۳ فی صد نے آیندہ انتخابات کا بائیکاٹ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ ۶٫۷ فی صد نے اپنا موقف نہ بیان کرنے کو ترجیح دی ہے۔ انتخابی عمل میں انتظامیہ کی مداخلت کے بارے میں ۳۶٫۶ فی صد افراد نے کہا ہے کہ وہ انتظامیہ کی جانب داری کی توقع رکھتے ہیں۔ ۴٫۶ فی صد نے کہا ہے کہ جانب داری بہت بڑے پیمانے پر ہوگی۔ اس کے برعکس ۱۴٫۲ فی صد افراد نے کہا ہے کہ ان کے خیال کے مطابق انتظامیہ دوران انتخابات، غیر جانب دار رہے گی۔ اس جائزے کا جواب دینے والے ۲۰٫۵ فی صد کے خیال میں الجزائر کے بحران کی منصوبہ بندی باہر سے کی گئی ہے۔ جب کہ ۴۹٫۴ فی صد کہتے ہیں کہ اس بحران کے سیاسی اور اقتصادی اسباب ہیں۔ ۵۵٫۸ فی صد کا کہنا ہے الجزائر کا بحران، عنقریب ختم ہو جائے گا جب کہ ۳۱٫۴ فی صد کے خیال میں یہ ابھی جاری رہے گا۔ (قضایا دولیۃ، اسلام آباد، ۳۱ مارچ ۱۹۹۷ سے ماخوذ)

جمہوریہ چیچنیا کا مستقبل

مسلم سجاد

جمہوریہ چیچنیا کے نومنتخب صدر اسلان مسخادوف اس سال فریضہ حج ادا کرنے کے لیے آئیں گے تو مسلم ممالک کے بہت سے رہنماؤں سے ان کو ذاتی ملاقات کا موقع ملے گا۔ جعفر داؤد شہید کی قیادت میں اہل چیچنیا نے جن حالات میں روس جیسی طاقت کو ناکوں چنے چبوائے ہیں، اور اپنی مملکت کو آزادی کے راستے پر ڈالا ہے، اس نے امام شامل کی وارث اس قوم کے ہر ہر فرد کو امت کی نظروں میں ہیرو بنا دیا ہے۔ یقیناً حجاج کرام مسخادوف اور ان کے رفقا پر عقیدت و احترام کے پھول نچھاور کریں گے۔

جنوری میں ہونے والے انتخابات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ۵ لاکھ سے زائد رائے دہندگان نے اس امیدوار کے حق میں فیصلہ دیا ہے جو کامیاب عسکری حکمت عملیوں کی تشکیل کے ساتھ ساتھ مذاکرات کی میز پر بھی اپنی فہم و فراست کا لوہا منوا چکے ہیں۔ چیچن عوام کو اندازہ ہے کہ روسیوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ دونوں صلاحیتیں بے حد ضروری ہیں۔ اسلان مسخادوف چیچن افواج کے کمانڈر انچیف رہے ہیں۔ انھوں نے اگست ۱۹۹۶ میں چیچنیا کے دارالحکومت گروزنی میں قابض روسی افواج کو شکست دے کر شہر پر چیچن حریت پسندوں کا قبضہ پھر سے بحال کیا۔ بعد ازاں جنرل اسلان مسخادوف نے ۳۱ اگست ۱۹۹۶ کو جنرل لیبد کے ساتھ ایک تاریخی معاہدے پر دستخط کیے جس کی رو سے اگرچہ چیچنیا کے سیاسی مستقبل کے تعین کا فیصلہ سن ۲۰۰۱ تک معطل کیا گیا، تاہم اس معاہدے کے نتیجے میں عملاً چیچنیا کی سرزمین پر حریت پسندوں کو مکمل کنٹرول حاصل ہو گیا۔

میدان جنگ میں اور مذاکرات کی میز پر زبردست کامیابیوں کے حصول نے چیچن عوام میں جنرل اسلان مسخادوف کی مقبولیت بام عروج پر پہنچا دی۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صدارتی انتخابات میں حصہ لینے کے لیے کسی بھی امیدوار کو دس ہزار افراد کے حمایتی دستخط پیش کرنے کی قانونی ضرورت کے پیش نظر جنرل اسلان مسخادوف نے اپنے کاغذات نامزدگی کے ساتھ حمایتی دستخطوں کی جو فہرست جمع کرائی وہ ایک لاکھ افراد کے دستخطوں پر مشتمل تھی۔ انھوں نے بدھ ۱۲ فروری کو نومنتخب صدر جمہوریہ کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ گروزنی میں ان کی حلف برداری کی تقریب میں روسی سیکورٹی کونسل کے سربراہ ائیوان ریبکن اور جنرل الیگزنڈر لیبد بھی موجود تھے۔ جنرل اسلان مسخادوف نے اپنا حلف قرآن کریم پر ہاتھ رکھ کر اٹھایا۔ انھوں نے اپنے حلف میں کہا: "میں عہد کرتا ہوں کہ میں چیچن مملکت کی آزادی کا تحفظ کروں گا۔ میں دستور و قانون کا احترام کروں گا اور چیچن عوام کے حقوق کا دفاع کروں گا"۔ انھوں نے مزید کہا: "میں ان چیچن عوام کے حقوق کا دفاع کروں گا جو پچھلے تین سو سالوں سے اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں"۔ انھوں

نے چیچنیا کے اسلامی تشخص کو مضبوط کرنے اور ملک میں لاقانونیت کے خاتمے کا بھی عہد کیا۔ چیچنیا میں رہائش پذیر روسی اقلیت کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے کہا۔ "مذہبی وابستگیوں سے قطع نظر تمام شہری یکساں حقوق کے حق دار ہوں گے"۔

اس سے قبل انھوں نے ۲۸ جنوری کو انتخابات کے ابتدائی نتائج کے اعلان کے وقت کہا تھا: "چیچنیا ایک آزاد ملک ہے جو اپنی خود مختاری کا اعلان کر چکا ہے۔ اب تو صرف یہ عمل باقی ہے کہ اس کی آزادی کو روس سمیت دیگر ممالک تسلیم کر لیں"۔ صدر مسخادوف کی حلف برادری کی تقریب میں شرکت کے لیے بعض غیر ملکی شخصیات کو بھی دعوت نامے بھجوائے گئے تھے۔ لیکن کریملن کی ان دھمکیوں کی وجہ سے کہ ان ممالک کے ساتھ روس اپنے سفارتی تعلقات منقطع کر لے گا جن کے نمایندے مسخادوف کی حلف برداری کی تقریب میں شرکت کریں گے، غیر ملکی نمایندوں نے تقریب حلف برداری میں شرکت کی جرات نہیں کی۔ ماسکو کی اس روش پر تبصرہ کرتے ہوئے تقریب میں موجود جنرل الیگزینڈر لیبد نے کہا: "روسی حکام کی طرف سے غیر ملکی مہمانوں کی تقریب میں شرکت روکنے کا اقدام حماقت پر مبنی ہے۔ اس جمہوری عمل کی تو حوصلہ افزائی ہونی چاہیے تھی"۔

کچھ روسی سیاسی حلقوں نے یہ تاثر پھیلانے کی کوشش کی کہ جنرل اسلان مسخادوف کریملن کے حمایت یافتہ صدارتی امیدوار تھے۔ اس کا ایک مقصد تو بظاہر صدر مسخادوف اور دیگر حریت پسند رہنماؤں کے درمیان اختلاف پیدا کرنا تھا۔ ثانیاً اس تاثر کے ذریعے کریملن کے حکام جنرل مسخادوف کی مستقبل کی پالیسیوں پر اثرانداز ہونے کے بہتر مواقع پیدا کرنے کے لیے کوشاں تھے۔ روسیوں کے یہ دونوں مقاصد پورے ہوتے نظر نہیں آرہے ہیں۔ صدارتی انتخابات کے دوسرے مضبوط ترین امیدوار شامل باسایف نے اسلان مسخادوف کی کامیابی کے بعد یہ کہہ کر روسیوں کی ان توقعات پر پانی پھیر دیا کہ:

"آپ (مسخادوف کو) نہیں جانتے، وہ (روسیوں کے مقابلے میں) مجھ سے بھی زیادہ سخت موقف کے حامل ہو سکتے ہیں۔ یہ تو وقت ہی بتائے گا"۔ شامل باسایف نے مزید کہا: "ہمارے درمیان تصادم کبھی بھی نہیں ہو گا۔ ہم نے روسی جارحیت کے خلاف کندھے سے کندھا ملا کر جہاد کیا ہے۔ ہمارا ایک مشترکہ ہدف ہے اور وہ چیچنیا کی آزادی ہے"۔

جنرل مسخادوف ایک مضبوط شخصیت کے حامل آدمی ہیں۔ وہ جذبات کو منطق پر غلبہ حاصل نہیں ہونے دیتے۔ وہ حالیہ چیچن جنگ آزادی کے ہیرو شہید جعفر داؤد کے قریب ترین ساتھیوں میں سے تھے۔ شہید صدر سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں: "جنرل جعفر داؤد سخت گیر اور جذبات سے مغلوب ہونے کی خصوصیات کے حامل تھے۔ میں ہمیشہ (ان سے) کہتا تھا کہ ہمیں جنگ کی طرف بھاگنا نہیں

چاہیے (We should not rush to the war)۔ جہاں تک چیچنیا کی آزادی اور استقلال کا تعلق ہے میرے اور ان کے موقف میں ذرہ برابر فرق نہیں تھا"۔

صدر سخادوف کی مستقبل کی پالیسیوں پر اثرانداز ہونے سے متعلق روسی توقعات میں یہ بات شامل ہے کہ بحیرہ کسپین کے تیل کی ترسیل کے لیے جمہوریہ چیچنیا کی سرزمین سے گزرنے والی پائپ لائن کے استعمال پر انھیں راضی کیا جائے۔ یہاں یہ امر پیش نظر رہے کہ کریملن کی طرف سے چیچنیا کی آزادی تسلیم نہ کرنے کی سب سے بڑی وجہ اس خطے میں روسی اقتصادی مفادات ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ صدر سخادوف روس کے ساتھ مضبوط اقتصادی تعلقات کے خواہاں ہیں لیکن وہ ان تعلقات کو برابری اور باہمی مفاد کی بنیاد پر تشکیل دینا چاہتے ہیں۔ اس پس منظر میں وہ چیچنیا کی سرزمین میں موجود پائپ لائن کو ملک کی اقتصادی خوشحالی کے لیے استعمال کریں گے اور روسیوں کے ساتھ معاملہ کرتے وقت جمہوریہ کے اقتصادی مفادات کا تحفظ یقینی بنائیں گے۔

صدر سخادوف کی ترجیحات میں ملکی تعمیرنو سرفہرست ہے۔ وہ روسیوں سے تاوان جنگ کی مد میں خطیر رقوم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال توقع یہی ہے کہ کریملن رقوم کی فراہمی کو چیچنیا کی روس کے اندر خودمختار خطے کی حیثیت سے شمولیت قبول کرنے سے مربوط کرے گا۔ کیا صدر سخادوف چیچنیا کی آزادی اور استقلال پر سودا کیے بغیر روسیوں کو چیچنیا کی تعمیرنو کے لیے اقتصادی امداد اور رقوم کی فراہمی پر راضی کر سکیں گے؟ دوسری طرف جب مسلم ممالک کے وسائل کے اعداد و شمار سامنے آتے ہیں تو یہ سوال ذہن میں ضرور پیدا ہوتا ہے کہ یہ کھربوں کی رقم جو مغرب کے اقتصادی نظام کو تحفظ دے رہی ہے، کیا امت کو عزت عطا کرنے والے چیچنیا اور بوسنیا کے مسلمانوں کے مستقبل کی تعمیر پر صرف نہیں ہو سکتی؟ (ماخوذ: وسطی ایشیا کے مسلمان، مارچ اپریل ۹۷)

نائیجیریا میں امریکہ کا کھیل

مسلم سجاد

امریکہ بہت معصوم بن کر دہشت گردی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور ہمارے مسلمان ممالک، دہشت گردی کے خاتمے کے لیے اس کے ساتھ معاہدے کرتے ہیں۔ لیکن عالمی حالات پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ امریکہ دنیا کے دوسرے ممالک میں اپنے مفادات کی تکمیل کے لیے ہر طرح کی دہشت گردی کی کارروائیاں کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے حکمرانوں کو قتل کروا دینے میں بھی کوئی باک نہیں ہے۔ کچھ مدت گزرنے کے بعد سب کچھ مستند طور پر سامنے بھی آ جاتا ہے لیکن امریکہ کی نیک نامی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

نائیجیریا افریقہ کا اہم مسلمان ملک ہے جو ایک عرصے سے مسائل کا شکار ہے۔ یہاں حالات مسلسل خراب ہو رہے ہیں۔ آج سے بیس سال قبل، ۱۳ فروری ۱۹۷۶ کو وہاں کے حکمران بریگیڈیر مرتلا محمد کو قتل کر دیا گیا اور جنرل اوباسنجو نے اقتدار سنبھال لیا۔ نائیجیریا کی اصل اہمیت تیل کی وجہ سے ہے۔ بیافرا کی لڑائی اسی لیے ہوئی۔ ۷۳-۱۹۷۴ میں تیل پر پابندی کے اوپیک کے فیصلے سے نائیجیریا نے اتفاق نہیں کیا تھا۔ اس وقت یہاں یعقوب گوون کی حکومت تھی۔ مہنگے داموں پر تیل فروخت کرنے کی وجہ سے نائیجیریا میں خوشحالی کی لہر آئی۔ جولائی ۱۹۷۵ میں مرتلا محمد نے اقتدار سنبھالا۔ ان کا دور حکومت صرف چھ ماہ رہا لیکن یہ دور نائیجیریا کی تاریخ کا بہترین دور تھا۔ مرتلا محمد کو قومی مفادات عزیز تھے۔ وہ امریکہ کے دوست نہ تھے۔ ان کی پالیسیوں سے امریکہ کو یہ اندیشہ تھا کہ کسی آیندہ بائیکاٹ میں نائیجیریا علیحدہ نہیں رہے گا۔

تاریخ میں کم ہی ایسے واقعات ہوتے ہیں جنھوں نے اوپیک ممالک کی طرف سے تیل پر پابندی کی طرح آنے والے واقعات پر اثر ڈالا ہو۔ اس نے عالمی سطح پر بین الاقوامی تعلقات میں طاقت کے توازن کو بالکل تبدیل کر کے رکھ دیا۔۔۔ یہ جتا کر کہ تیسری دنیا کے ممالک بھی وسائل روک کر باقی دنیا پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ ۷۰ کے عشرے کے وسط میں امریکہ میں افریقہ کی اس ابھرتی ہوئی قوم کے خلاف اقتصادی جنگ کی باتیں کھلے عام ہو رہی تھیں۔ تیل پر پابندی کے کسی ممکنہ دوسرے دور کا مقابلہ کرنے کے لیے فوجی حملوں پر سنجیدگی سے غور کیا جا رہا تھا۔ اگست ۱۹۷۵ میں کانگریس کے لیے ایک خصوصی رپورٹ تیار کی گئی تاکہ تیل پیدا کرنے والے ممالک پر فوجی حملے کے امکانات پر امریکی قانون ساز غور کر سکیں۔ ۱۱۱ صفحات کی اس رپورٹ میں ان ممالک پر فوجی حملے کے ہر پہلو کا تفصیلی جائزہ لیا گیا تھا کہ کس طرح تیل کے چشموں پر قبضہ کر کے تیل کی فراہمی ہفتوں، مہینوں بلکہ سالوں تک برقرار رکھی جا سکے۔ فروری ۷۵ میں صدرر فورڈ نے کہا کہ اگر اوپیک نے پھر ہمارا معاشی طور پر گلا گھونٹا تو ہم اپنی بقا کے لیے اقدامات کریں گے۔ کسنجر نے کہا: کوئی قوم بھی یہ اعلان نہیں کر سکتی "کہ وہ کوئی ردعمل ظاہر کیے بغیر اپنا گلا گھونٹنے دے گی۔ ہارپرس میگزین میں ایک دفاعی مشیر نے لکھا: ہر طرح کی سیاسی قیمت' اور استرٹیجک اندیشوں کے باوجود یہ کیا جا سکتا ہے' یہ کیا جانا چاہیے۔ اس میں ناکامی سے ایک بالکل غریب امریکہ وجود میں آجائے گا۔

تیل کا دوسرا بحران تو نہ آیا' لیکن امریکہ میں نائیجیریا کے خلاف سفارتی اور معاشی جنگ میں تیزی آتی گئی۔ مرتلا کے آخری دنوں میں واشنگٹن اور لاگوس کے درمیان مراسلات اس کا اظہار کرتے ہیں۔ ابھی بہت سی دستاویزات منظر عام پر نہیں آئی ہیں لیکن جو آئی ہیں ان سے نائیجیریا کے اچھے حالات اور پڑوسی ممالک پر اس کے رسوخ پر امریکہ کی پریشانی عیاں ہوتی ہے۔ ۲۶ ستمبر ۷۵ کا ایک مراسلہ بتاتا ہے کہ نائیجیریا نے لوساکا میں افریقی نیشنل کانگرس کو ہزاروں ڈالر فراہم کیے ہیں۔ جنوری ۷۶ کے ایک مراسلے میں نائیجیریا کے رہنماؤں کی قومی مفادات کی برتری کے مظہر اور مغرب کے بلیک میل کے خلاف اعلانات پر تشویش کا اظہار کیا گیا ہے۔ امریکی سفیر نے ۲۰ جنوری کے مراسلے میں نائیجیریا کی طرف سے تیل کو ہتھیار کے طور پر استعمال کیے جانے کے امکانات پر معلومات فراہم کی ہیں۔ مرتلا کے قتل سے صرف دو ہفتے

قبل ایک مراسلے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ نائیجریا کی خوشحال معیشت کو تباہ کرنے کے درپے تھا۔

مرتلا کے قتل کے تین ہفتے بعد امریکی سفیر سے واشنگٹن میں سینیٹ کمیٹی میں سوال کیا گیا کہ کیا نائیجیریا امریکہ کو افریقی پالیسیوں کے بارے میں تیل کے ہتھیار سے متاثر کر سکتا ہے' تو جنوری کے مقابلے میں سفیر صاحب مطمئن تھے: نائیجیریا کے لوگ حقیقت پسند ہیں۔ وہ کوئی ایسا اقدام نہیں کریں گے جو ان کے قومی مفاد میں نہ ہو"۔

۱۹۷۹ میں حکومت سے علیحدہ ہونے کے بعد اوباسنجو نائیجیریا میں مغربی مداخلت کا علمبردار بن گیا۔ وہ ورلڈ بنک' امریکی انسٹی ٹیوٹ آف پیس اور سی آئی اے سے وابستہ دو معروف گروپس کے مفادات کے لیے کام کرنے لگا۔ نائیجیریا میں سابق امریکی سفیر ایسم بھی اس کے شریک کار ہو گئے۔

نائیجیریا میں امریکی مداخلت اور مرتلا محمد کے قتل کی داستان امریکہ کے اپنے مفادات کی خاطر ہر انتہا تک جانے کی داستان ہے۔ اور یہ کہانی صرف ایک ملک کی نہیں ہے۔

(یہ رپورٹ ٦ سال کی عرق ریزی کا نتیجہ ہے۔ اس کے لیے درجنوں خفیہ دستاویزات کا مطالعہ کیا گیا ہے اور امریکہ کی سرکاری ایجنسیوں کے ہزاروں کاغذات کو چھانا گیا ہے)

(ماخوز از Opec, Oil and the CIA, the killing of Murtala Muhammad by Elizebeth Liagin, the monthly Impact International, December 96.)

شیخ عبدالفتاح ابو غدہؒ

حافظ محمد ادریس

عالم اسلام کے معروف دینی سکالر' محدث و فقیہہ اور اخوان المسلمون کے مشہور رہنما' شام کے شیخ عبدالفتاح ابوغدہ بھرپور زندگی گزارنے کے بعد ۹ شوال ۱۴۱۷ ہجری مطابق ۱۶ فروری ۱۹۹۷ کو دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شام کے شہر حلب میں ۱۹۱۷ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ایک عالم دین اور کپڑے کے تاجر تھے۔ پورا گھرانہ علم و تقویٰ کی اعلیٰ مثال تھا۔ آپ کا شجرۂ نسب سیدنا خالد بن ولیدؓ سے جا ملتا ہے' گویا آپ قریش کے معروف خاندان بنو مخزوم میں سے تھے۔

حصول تعلیم: آپ نے شام میں ابتدائی اور ثانوی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ الازھر (مصر) سے ۱۹۵۰ میں نفسیات اور اصول تدریس میں اختصاص کیا اور درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ آپ ایک عالم ربانی بھی تھے اور ایک نڈر مجاہد بھی۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کو شام اور مصر دونوں ملکوں میں اعلیٰ علمی و عملی شخصیات سے کسب فیض کا موقع ملا۔ شیخ راغب طباخ' شیخ نجیب سراج الدین' شیخ احمد الزرقا اور شیخ مصطفیٰ الزرقا شام کے نامور علما ان کے اساتذہ تھے۔ مصر میں آپ کا تعلق جن اساتذہ سے قائم ہوا' ان میں شیخ محمد خضر حسین' شیخ عبدالحلیم محمود' شیخ محمود شلتوت اور شیخ عبدالمجید دراز شامل ہیں۔ مصر میں قیام کے دوران شیخ ابوغدہ مرحوم نے شیخ مصطفیٰ صبری' شیخ محمد زاہد کوثری اور امام حسن البناء شہید سے خصوصی تعلق قائم رکھا اور ان کی علمی و دعوتی سرگرمیوں میں شرکت کی۔

رکن پارلیمنٹ: مصر میں قیام ہی کے دوران اخوان المسلمون میں شامل ہوئے اور وطن واپسی پر اخوان المسلمون شام میں سرگرمی سے کام کیا۔ آپ نے ۱۹۶۲ میں شامی پارلیمنٹ کے انتخاب میں حصہ لیا اور حلب شہر سے بھاری اکثریت سے ممبر منتخب ہوئے۔ پارلیمنٹ میں آپ کا کردار اخوان کے لیے باعث فخر اور خود مجلس قانون ساز کے لیے باعث تقویت تھا۔ آپ نے اس دور میں جو عرب قومیت پرستی کا نقطہ عروج تھا' ہمیشہ ملت اسلامیہ کے مسائل پر کھل کر اظہار خیال کیا اور دنیا بھر کی اسلامی تحریکوں سے خراج تحسین وصول

کیا۔ آپ عرب قومیت کے سب سے بڑے ناقد تھے۔

گرفتاری: شاہی حکومت نے ۱۹۶۶ میں شیخ کو گرفتار کر لیا۔ ان پر الزام تھا کہ وہ اپنے خطبات کے ذریعے عوام کو حکومت کے خلاف آمادۂ بغاوت کرتے ہیں۔ آپ ایک سال جیل میں رہے۔ یہاں بھی آپ نے اپنے داعیانہ کردار اور اعلیٰ اخلاق کی بدولت ایسی حیثیت حاصل کر لی تھی کہ قیدی اور جیل کا عملہ ان کی عزت بھی کرتا اور دینی معاملات میں ان سے رہنمائی کے لیے بھی رجوع کرتا تھا۔

رہائی اور ہجرت: ۱۹۶۷ میں جب اسرائیل نے شام، مصر اور اردن کے کئی علاقوں پر قبضہ جمایا تو دوران جنگ جن سیاسی قیدیوں کو جیل سے رہا کیا گیا، ان میں شیخ بھی تھے جو رہا ہو کر پھر میدان میں آ گئے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ چھوٹی جیل میں جس قدر آزادی تھی بڑی جیل میں وہ بھی نہیں ہے، تو وطن عزیز کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کر لیا، سعودی عرب کی طرف ہجرت کی اور وہیں مقیم ہو گئے۔

سعودی عرب میں مرحوم نے کئی اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے مگر جامعہ امام محمد بن سعود ریاض نے آپ سے خصوصی استفادہ کیا۔ آپ حدیث اور فقہ کے جید عالم تھے اور ادیان و مذاہب کے تقابلی مطالعہ پر سند کی حیثیت رکھتے تھے۔

ابوغدہ مرحوم مسلک کے لحاظ سے حنفی تھے مگر چونکہ خود اپنے علمی مقام اور مرتبے کی وجہ سے مجتہد کے مقام پر فائز تھے، اس لیے ان کا علمی افق بہت وسیع تھا اور ظرف بھی بہت عالی تھا۔ آپ کے شاگردوں میں دنیا بھر کے تشنگان علم اور ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے طلبہ شامل تھے۔ آپ نے حدیث کی بہت خدمت کی اور حدیث کی بہت سی قدیم اور امہات کتب پر حاشیے لکھے اور ان کی تخریج و تحقیق کی۔ آپ کی اپنی تصانیف اور رسائل کی تعداد بھی درجنوں میں ہے۔

سفر و سیاحت: شیخ عبدالفتاح نے دیار عرب اور بلاد مغرب کا سفر کیا۔ آپ نے مشرق بعید اور خصوصاً برعظیم کے سفر میں علمی شخصیات اور دینی درس گاہوں سے ذاتی روابط قائم کیے۔ آپ نے برعظیم کے بہت سے مدارس سے اپنی نسبت قائم کرنے کے لیے سماعت حدیث اور حصول سند کا بھی اہتمام کیا اگرچہ آپ کا اپنا مقام و مرتبہ خود ان مدارس کے اساتذہ کے برابر یا برتر تھا۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے شیخ مرحوم کو قلبی محبت و عقیدت تھی۔ اس کا بارہا وہ تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ آپ نے مولانا محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی محمد شفیعؒ، مولانا خیر محمدؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰنؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ، مولانا ابوالحسن علی ندوی سب ہی سے ملاقاتیں کیں اور علمی موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔

رائے عامہ کی حمایت: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شام میں اخوان کے مراقب عام رہے۔ پرآشوب دور اور

نصیری حکومت کے مظالم کے مقابلے پر آپ نے اخوان کی رہنمائی کی۔ آپ بیرون ملک سے ہدایات و ارشادات بھیجتے رہتے تھے۔ بعض پرجوش نوجوانوں نے ظالم حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا تو شام کے اخوان کے درمیان اختلاف رائے پیدا ہوا۔ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ پرامن جدوجہد اور رائے عامہ کو ساتھ ملا کر انقلاب لانے کے حق میں تھے۔ مسلح جدوجہد کے نتیجے میں حلب اور حماہ وغیرہ شہروں میں حکومت اور فوج کے ساتھ تصادم ہوا' نصیری حکومت نے اس قدر مظالم ڈھائے کہ اس کی مثال انسانی تاریخ میں کم ہی مل سکتی ہے۔ بے شمار نوجوان شہید ہوئے' لاتعداد جیلوں میں بند کر دیے گئے' بہت سے ملک سے جلاوطنی پر مجبور ہو گئے۔ شیخ مرحوم اس صورت حال پر ازحد رنجیدہ تھے۔

شیخ سے ملاقات: شیخ مرحوم سے مجھے دو دفعہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ ان سے ریاض میں ملاقات ہوئی اور ایک مرتبہ مکہ معظمہ میں۔ شیخ مرحوم دبلے پتلے' چاق و چوبند اور گورے چٹے بزرگ تھے۔ آپ کے چہرے پر ملکوتی نور کی جھلک ہر شخص کو متاثر کرتی تھی۔ آپ گفتگو میں نہایت شیریں اور استدلال میں بہت مضبوط تھے۔

شیخ کا خاص مضمون حدیث پاک تھا اس لیے وہ اپنی گفتگو میں حدیث کے حوالے کثرت سے دیا کرتے تھے۔ حدیث بیان کرتے وقت آپ کے خوبصورت چہرے پر پھیلا ہوا نور اور بھی روشن ہو جاتا تھا۔ کبھی آپ کی آنکھوں میں آنسو بھی آ جایا کرتے تھے۔ آپ رقیق القلب انسان اور سچے عاشق رسول تھے۔

مجھے شام کے حوالے سے شیخ ابوغدہ کی گفتگو کا یہ حصہ آج تک یاد ہے: "پورے عالم اسلام پر غیر اسلامی نظام اور بیشتر حصوں پر طاغوت قابض ہے۔ طاغوت کی غلامی پر ایک لمحے کے لیے بھی مطمئن ہو جانا جرم عظیم ہے مگر موجودہ دور میں کسی تحریک کے لیے مسلح جدوجہد سے فساد زدہ مسلم معاشرے میں حقیقی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ اس کے لیے تعلیم و تربیت' دعوت و تبلیغ اور ذاتی روابط کے ذریعے مسلم عوام کی اصلاح ناگزیر ہے....."

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے داماد اور معروف مسلم سکالر ڈاکٹر احمد البرا الامیری نے ایک ملاقات میں بتایا کہ شیخ کے تین بیٹے اور آٹھ بیٹیاں تھیں۔ کثیر العیال ہونے کی وجہ سے تنگ دست رہتے تھے مگر کتابیں خریدنے کا اس قدر شوق تھا کہ پیٹ کاٹ کر بھی کتب خریدتے۔ ان کے گھر میں ہر کمرے میں کتب ہی کتب نظر آتی ہیں۔ ان کا ذاتی کمرہ تو مکتبے سے کم نہیں۔ آپ کے تمام بیٹے بیٹیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تحریک اسلامی سے وابستہ ہیں۔

عشق رسولؐ: ڈاکٹر الامیری نے ہی بیان کیا کہ شیخ مرحوم کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر عشق تھا کہ ایک مرتبہ میں نے ان کے سامنے اپنا خواب بیان کیا۔ میں نے دیکھا کہ حضور نبی پاکؐ

شیخ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے مجلس میں تشریف لائے ہیں۔ خواب سنتے ہی شیخ پر کپکپی طاری ہو گئی اور وہ زار و قطار رونے لگے۔

شیخ مرحوم کو ایسا ہی ایک خواب ایک عراقی عالم دین نے سنایا۔ اس میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شیخ ابوغدہ سے مصافحہ فرما رہے تھے۔ عراقی دوست کی زبانی یہ خواب سن کر شیخ رونے لگے، ہچکی بندھ گئی۔ عراقی بزرگ کو شک ہوا کہ کہیں شیخ کی جان ہی نہ نکل جائے۔

مرجع خلائق: شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کے لیکچرز اس قدر موثر اور مقبول ہوتے تھے کہ مصر میں دور طالب علمی میں وہ جامع ازہر کے طلبہ کی آنکھوں کا تارا بن گئے تھے۔ شام واپسی پر انھوں نے جس مسجد میں جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا وہاں نمازیوں کو جگہ نہ ملتی تھی۔ ساتھ کی سڑکوں اور بازاروں میں بھی لوگ مصلے بچھا کر نماز پڑھتے تھے۔ بسااوقات اژدہام کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے کی پیٹھ پر سجدہ کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

شیخ کے شاگردوں نے بتایا کہ جامعہ امام میں ان کے لیکچر کے دوران ان کی کلاس کے طلبہ کے علاوہ جامعہ کے دیگر طلبہ کی ایک بڑی تعداد پیچھے آکر بیٹھ جاتی، جن کو جگہ نہ ملتی وہ کھڑے ہو کر آپ کی تقریر سنا کرتے تھے۔ چونکہ شیخ، حدیث رسولؐ کی تدریس کرتے تھے اس لیے اس کی سماعت سے کسی کو روکنا ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ ان کے شاگردوں میں سعودی عرب کے امرا اور شہزادے بھی شامل تھے اور دنیا کے غریب مسلم ممالک کے فقرا و مساکین بھی تھے۔

شوق مطالعہ: شیخ کو کتابیں جمع کرنے ہی کا شوق نہ تھا بلکہ وہ ان کا مطالعہ بھی کیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ اس صدی کے عظیم انسان، منفرد مفکر اور یکتائے روزگار مصلح، سید مودودیؒ نے فرمایا تھا: "میں کتابوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، میرا بس چلے تو اپنی قبر میں بھی اینٹوں کی جگہ کتابیں چنوا دوں"۔ یہی حال شیخ ابوغدہ کا تھا۔ آنکھ کی بینائی کمزور ہو گئی۔ آپریشن کا ارادہ ظاہر کیا۔ کمزور صحت اور بڑھاپے کی وجہ سے ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ جان کو خطرہ ہو سکتا ہے مگر انھوں نے فرمایا کہ مطالعہ میری زندگی ہے۔ آپ لوگ میری نظر بنانے کی کوشش کریں۔

سفر آخرت: آپریشن کامیاب نہ ہو سکا۔ شیخ کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ آخر وہ لمحہ آگیا جو ہر ذی روح کا مقدر ہے۔ شیخ کا انتقال ریاض میں ہوا، آپ کی زندگی بھر کی تمنا تھی کہ آپ کو مدینہ رسولؐ میں قبر کی جگہ مل جائے۔ آپ کے شاگردوں اور مداحوں میں سے سعودی عرب کی بااثر شخصیات کو اس کا علم تھا۔ ریاض میں آپ کا جنازہ پڑھا گیا اور ایک خصوصی طیارے کے ذریعے جسد خاکی مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا۔ مدینہ کی مسجد نبویؐ میں دوبارہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور جنت البقیع میں آپ کی قبر بن گئی۔ آپ کے جنازے کے ساتھ

اتنا بڑا ہجوم تھا کہ اہل مدینہ کا خیال ہے قریب کے دور میں اتنا بڑا جنازہ کسی کا نہیں ہوا۔ یہ مقام بلند آپ کو دین حق کی دعوت اور خصوصاً حدیث رسول مقبولؐ کی خدمت کی وجہ سے نصیب ہوا۔

شیخ مرحوم کے بارے میں میرا ذاتی تاثر آج بھی یہ ہے کہ آپ ایک فرشتہ صفت انسان تھے۔ میں نے جب ان کو پہلی بار دیکھا تو بچپن سے فرشتے کا جو تصور ذہن میں بیٹھا ہوا تھا، اس کے مطابق میرے دل نے فوراً گواہی دی کہ فرشتے ایسے ہی ہوتے ہوں گے۔ حق مغفرت کرے اس ملکوتی صفت انسان نے مثالی زندگی گزاری اور قابل رشک موت سے ہم کنار ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی جدوجہد کو قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام رفیع سے سرفراز کرے۔ ان کی رحلت سے عالم اسلام ایک جید عالمِ دین، محدث اور مایۂ ناز فقیہہ سے محروم ہو گیا ہے۔

پلتے ہو اس کے رزق پر

اور ان داتا بناتے ہو دوسروں کو '

مدد پاتے ہو اس کے فضل و کرم سے

اور حامی و ناصر ٹھہراتے ہو دوسروں کو'

غلام ہو اس کے

اور بندگی بجا لاتے ہو دوسروں کی'

مشکل کشائی کرتا ہے وہ

برے وقت پر گڑگڑاتے ہو اس کے سامنے

اور جب وقت گزر جاتا ہے تو

تمھارے مشکل کشا بن جاتے ہیں دوسرے

اور نذریں اور نیازیں چڑھنے لگتی ہیں دوسروں کے نام کی

(تفہیم القرآن ' جلد ا' ص ۵۴۸)

(خیرخواہ)

رسائل و مسائل

وقت کی جواب دہی اور احساس ذمہ داری

میں تقریباً ایک سال سے ایک گورنمنٹ سکول میں پڑھا رہی ہوں۔ میں نے تدریس محض شوق کے طور پر نہیں اپنائی بلکہ یہ میرا مقصد زندگی ہے۔ اور اسی مشن کو لے کر میں سکول آئی ہوں کہ معصوم بچوں کے ذہنوں پر ابتدا ہی سے خدا اور رسولؐ کا تصور بٹھا دیا جائے۔ میں نے اپنی ایک سالہ زندگی میں بہت سے تجربات حاصل کیے ہیں اور کافی حد تک کامیاب بھی رہی ہوں۔ لیکن جو بات میں بتانا چاہ رہی ہوں وہ یہ ہے کہ کچھ ٹیچر چھٹی کر کے اپنی حاضری لگاتے ہیں یا پھر بعض اوقات پورا وقت حاضر نہیں ہوتے جب کہ حاضری پورے وقت کی ہوتی ہے۔ میں الحمدللہ پوری کوشش کر رہی ہوں کہ اس بددیانتی سے بچوں۔ لیکن بعض اوقات عجیب صورت حال ہو جاتی ہے۔ تب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کروں۔ بالفرض چھٹی ۳ بجے ہے اور مجھے ایک گھنٹہ پہلے جانا پڑ جائے تو پھر کیا میں حاضری ۲ بجے تک کی لگاؤں؟ میرا اپنا دل تو یہی کہہ رہا ہوتا ہے کہ جتنی دیر تم سکول میں ہو اتنے ٹائم ہی کی حاضری ہونی چاہیے اور کرتی بھی یہی ہوں لیکن دیگر سٹاف کا اعتراض ہوتا ہے کہ ایسا مت کرو۔ ایک چھٹی کا مسئلہ ہوتا ہے کہ میں مہینے میں جتنی بھی چھٹیاں کروں ان کا اندراج کرتی ہوں جب کہ باقی کہتی ہیں کہ افسران بالا اس بات پر اعتراض کرتے ہیں' اس لیے محتاط رہا کرو۔ بعض اوقات سکول میں فراغت ہوتی ہے یا کوئی پیریڈ وغیرہ نہیں لینا ہوتا جیسے کسی فنکشن یا پیپرز وغیرہ کے دوران۔ جب کہ حاضری فل ٹائم ہی کی ہوتی ہے۔ ایسے میں کیا کیا جائے۔ ساتھیوں کا اصرار ہوتا ہے کہ فراغت ہے تو چلیں۔ جب کہ میں کہتی ہوں کہ پہلے اس ٹائم کی حاضری لگائیں پھر چلیں گے۔ کوئی بھی رضامند نہ ہو تو کیا میں ہی بیٹھی رہوں؟ یا اپنی حاضری اسی ٹائم کی لگا کر چل دوں---! یا پھر ان کے ساتھ رہوں۔ بقول ان کے جاب میں یہ سب چلتا ہے' لیکن میرا مشن صرف "رب کی رضا کا حصول" ہے۔ مجھے وہ جاب نہیں چاہیے جس میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو۔

معلمات و معلمین کے تاخیر سے سکول آنے یا مقررہ وقت سے قبل چلے جانے کے حوالے سے آپ نے جو سوالات تحریر کیے ہیں انھیں پڑھ کر اطمینان ہوا کہ الحمدللہ اس مقدس شعبے سے ابھی تک ایسی بہنیں وابستہ ہیں جن میں وقت کی جواب دہی اور ذمہ داری کا احساس شدت سے پایا جاتا ہے۔ یہی زندہ اقوام کی

شناخت اور بقا کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رجحان میں ترقی و برکت عطا فرمائے۔

اسکول میں تدریسی ذمہ داری ہو یا سرکاری دفتر میں انتظامی امور کی ادائیگی یا کسی دکان پر چوکیداری کی ذمہ داری' ایک کارکن ایسی کسی بھی ذمہ داری کو قبول کرتے وقت دراصل متعلقہ ادارے کے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے کہ وہ ایک مقررہ معاوضے کے عوض ایک ادارے کو اپنا وقت' صلاحیت اور توجہ دے گا۔ قرآن کریم نے اہل ایمان کی ایک اہم صفت یہ بتائی ہے کہ وہ اپنے عہدوں پر قائم رہتے ہیں۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (المومنون ۲۳:۸)۔ اس کے برخلاف طرز عمل کو ناپسند کیا گیا ہے اور صفات مردودہ میں شمار کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں صاف طور پر یہ بات آئی ہے کہ منافق کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ جب عہد کرے تو خلاف ورزی کرے اور جب امانت دی جائے تو خیانت کرے۔ گویا اسلام ایک مومن اور مومنہ میں جو سیرت و کردار پیدا کرنا چاہتا ہے اس میں امانت اور عہد کا پاس و احترام بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

اس عمومی اصول کی روشنی میں اگر ایک شخص ایک ادارے سے یہ معاہدہ کرتا ہے کہ وہ ہفتہ میں ۴۰ گھنٹے ایک کام ذمہ داری سے ادا کرے گا یا ہفتہ کے ۵ دنوں میں روزانہ ۸ گھنٹے کام کرے گا اور پھر وہ صرف ۴ یا ۶ گھنٹے روزانہ کام کرے تو یہ معاہدہ کی خلاف ورزی ہے جو اخلاقاً اور قانوناً غلط ہے۔ اس کے برخلاف اگر وہی فرد ادارے سے بات چیت کر کے شرائط میں تبدیلی کرا لے اور طے پا جائے کہ بجائے ۸ گھنٹے روزانہ کام کرنے کے وہ ہفتہ میں ۶ دن روزانہ ۷ گھنٹے کام کرے گا یا ہفتہ میں ۴ دن لیکن ۱۰ گھنٹے روزانہ کام کرے گا' تو جب تک مطلوبہ کارکردگی کا حصول ہو رہا ہے اس باہمی انتظام (Adjustment) سے معاہدے کی کوئی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک فرد ادارے سے طے کر لے کہ وہ نصف کام ادارے میں اور نصف اپنے گھر پر کرے گا۔ غرض جب ایک فرد اور متعلقہ ادارے کے باہمی مشورے سے شرائط ملازمت میں رد و بدل کیا جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر معاہدہ تو کیا جائے صبح ۸ بجے سے ۴ بجے تک کام کرنے کا' اور ایک شخص ساڑھے نو بجے دفتر آئے اور ایک گھنٹہ اخبار پڑھتا رہے پھر چائے کا وقفہ کر لے اور ایک آدھ گھنٹہ کام کرنے کے بعد نماز کے لیے ایک لمبے وقفے میں چلا جائے اور پھر کھانے کی چھٹی کر لے حتیٰ کہ ۴ بج جائیں اور بغیر کوئی کام کیے گھر چلا جائے تو چاہے وہ وقت پر آیا ہو اور وقت پر دفتر سے نکلا ہو' یہ طرز عمل نہ امانت پر مبنی ہے نہ احساس ذمہ داری پر۔

آپ نے جو مختلف پہلو اپنے سوال میں لکھے ہیں ان کے سلسلے میں مندرجہ بالا گزارشات کی روشنی میں کئی شکلیں پیدا کی جا سکتی ہیں۔ آپ اپنے سکول کی پرنسپل سے مل کر طے کر سکتی ہیں کہ اگر کسی دن آپ کی کوئی کلاس نہ ہو یا نصف دن خالی ہو تو اس میں وقت کا استعمال کس طرح کیا جائے۔ آیا گھر جا کر اس وقت

کو پڑھانے کے لیے تیاری میں صرف کریں یا اسکول کے کسی اور کام میں اس وقت کو استعمال کرلیں یا اپنے ذاتی کاموں کے لیے کلی یا جزوی طور پر استعمال کریں۔ اس طرح اسکول تاخیر سے آنے کی شکل میں رضامندی سے طے کرلیا جائے کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اسکول میں دیر تک یا اسکول کے کسی کام کو گھر لے جاکر اضافی وقت دے کر کردیا جائے۔

جہاں تک معاملہ بلارخصت غیرحاضری اور غیرحاضری کے باوجود اپنے آپ کو حاضر دکھانے کا ہے، یہ اسلامی طور پر قطعاً ناجائز ہے۔ یہ نہ صرف غلط بیانی، معاہدہ کی خلاف ورزی اور سرقہ ہے بلکہ آیندہ آنے والی نسلوں کے لیے ایک گمراہ کن نمونہ قائم کرنا ہے۔

ایک معلم کا اصل اثاثہ علم نہیں سیرت و کردار ہے جو اسے علم کا امین اور انبیا کا وارث بناتی ہے۔ تعلیم و تعلم تو ایک مقدس فریضہ ہے ہی، اگر ایک شخص کسی مقام پر چوکیدار ہو اور وہ بجائے چوکیداری کرنے کے دن بھر سوتا رہے اور رات کو بھی چوکنا نہ رہے تو یہ کون سی امانت اور احساس فرض ہو گا۔ گویا اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ایک فرد کے امانت دار ہونے کے لیے ضروری ہے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

ولدیت کے خانے میں غیروالد کا نام

کچھ لوگ جن کے کاغذات یورپ کے بنے ہوئے ہوتے ہیں یعنی وہ یہاں قانونی طور پر رہایش رکھتے ہیں یا یہاں کی شہریت رکھتے ہیں، وہ اپنے کاغذات پر اپنے کسی قریبی رشتے دار کے، مثلاً اپنے بھائی، بہن یا کسی دوسرے رشتے دار کے بچے لکھوا دیتے ہیں۔ یعنی بچوں کو یورپ میں لانے کے لیے کاغذات میں بچے کے والدین تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ کے لیے پاکستان میں بھی اور یورپ میں بھی اصلی والدین تبدیل رہتے ہیں۔

کیا ایسا کرنا درست ہے؟

آپ نے بیرون ملک مستقل طور پر مقیم افراد کے حوالے سے پوچھا ہے کہ کیا وہ اپنے کسی عزیز یا بھائی بہن کے بچوں کو اپنے بچے درج کرا کے قانونی کاغذات کے ذریعے بیرون ملک لے جاسکتے ہیں۔ قرآن پاک نے ہمیں اس سلسلے میں حضرت زید بن حارثہؓ کے حوالے سے یہ بات سمجھائی ہے کہ گو وہ مکہ مکرمہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں اس طرح پلے بڑھے تھے کہ لوگ انھیں زید بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے تھے لیکن اسلامی اصول جسے قرآن نے خود طے کردیا ہے یہ ہے کہ اولاد اس کی جس کے بستر پر پیدا ہو یعنی بچہ کی نسبت بربنائے رحم ہوگی، بربنائے شہرت نہیں ہوگی۔

مسلمان فقہا کا پندرہ صدی سے اس بات پر اجماع ہے کہ بچے کی نسبت اس کے حقیقی ماں باپ کی

طرف ہی کی جائے گی۔ اس لیے کسی قانونی دستاویز میں اس نسبت کو تبدیل کرنا اسلامی اصول کے منافی ہو گا۔ اس فقہی صورت حال کے باوجود اگر ایک شخص امریکہ یا یورپ میں اچھے مالی حالات میں ہے اور اس کے بھائی کے بچے یا بہن کے بچے مشکل میں زندگی گزار رہے ہیں تو وہ کیا کرے؟ کیا ان بچوں کو اپنی سگی اولاد ظاہر کر کے اپنے پاس لے آئے اور ان کی تعلیم و پرورش اعلیٰ معیار پر کرے؟ میرے خیال میں اصل مسئلہ فقہی نہیں ہے۔ اسلام نے ہر صاحب حیثیت فرد پر اپنے اعزہ و اقربا کے بعض حقوق متعین کر دیے ہیں جن پر عمل ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی ایک نظام کفالت بھی بنا دیا ہے تاکہ جو لوگ براہ راست مادی فائدہ نہیں حاصل کر سکتے انھیں بھی ہر قسم کی امداد فراہم کی جا سکے۔

اسلام ہر پیدا ہونے والے بچے کے رزق، تعلیم، صحت، تحفظ، عزت اور کاروبار حیات کو جائز طور پر سرانجام دینے کے لیے وسائل کی فراہمی کا ذمہ لیتا ہے۔ اور اگر ایک بچے کے جائز نگران انھیں سہولتیں فراہم کرنے سے عاجز ہوں تو ریاست اس کے ان تمام بنیادی امور کا ذمہ لیتی ہے۔ گویا کسی بچے کی امداد یا کسی عزیز کی مالی امداد کرنے کا محض ایک یہی ذریعہ نہیں ہے کہ اس بچے کا نسب تبدیل کر کے اپنے آپ سے منسوب کر دیا جائے۔ آخر ایک بیرون ملک پاکستانی کو اس بات سے کس نے روکا ہے کہ وہ اپنے بھائی یا بہن کے بچے کی تعلیم، صحت اور لباس وغیرہ کے خرچہ کے لیے ہر ماہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ بھیج کر اس کی مناسب و اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کرے جب کہ وہ بچہ اپنے والدین کے پاس ہی ہو۔ یہی شکل ایک ایسے بچے کے لیے بھی اختیار کی جا سکتی ہے جو قریبی عزیز نہ ہو لیکن ضرورت مند ہو۔ جہاد کشمیر سے متاثر ہونے والے ہزارہا بچوں کے لیے بیرون ملک پاکستانی اور اندرون پاکستان دردمند حضرات و خواتین تعلیم و تربیت کے لیے خرچہ کا بندوبست کرتے ہیں اور بغیر بچوں کا نسب تبدیل کیے یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

ایک اور مشکل جو قیاس کی جا سکتی ہے وہ ایسے لااولاد افراد کا مسئلہ ہے جو کسی عزیز کے بچے کو متبنیٰ بنا کر اپنے پاس لانا چاہتے ہوں۔ اس شکل میں اسلام کا اصول تو اوپر واضح ہو چکا ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں، ہاں اگر کسی ملک کا قانون یہ اختیار دیتا ہو کہ بغیر نسب تبدیل کیے اس بچے کو کاغذی کارروائی کے بعد پاکستان سے باہر لے جا کر پرورش کیا جائے اور یہ کام اللہ کو خوش کرنے کے لیے ہو تو گو وہ بچہ اپنے حقیقی ماں باپ کی اولاد ہی کہلائے گا لیکن اس طرح اس کی تعلیم و تربیت ایک صدقہ جاریہ کا درجہ رکھے گی۔ اور اس کا اجر اچھی تربیت کرنے والے افراد کو ملے گا۔ ہمارے اپنے دور میں اور بعد کے ادوار میں ایسی صورتیں پیش آ سکتی ہیں جب بچوں کی ایک تعداد یتیم ہو جائے جیسا کہ جہاد کشمیر یا جہاد بوسنیا یا جہاد چیچنیا وغیرہ میں ہوا۔ قرآن پاک نے زکوٰۃ کی لازمی تقسیم میں اس مد کو شامل کر کے ہمیشہ کے لیے اس مسئلہ کا حل تجویز کر دیا ہے۔ پھر صدقات کے حوالے سے یہ بات طے کر دی ہے کہ ایسے افراد کو بے سہارا نہیں چھوڑا جائے گا بلکہ

ہومیوپیتھی بھی ہے جس میں ایسے اجزا استعمال کیے جاتے ہیں جو صرف الکوحل میں حل ہو سکتے ہیں۔ ان ادویات کو بطور عطر جسم پر ملا نہیں جاتا بلکہ ایک دو قطرے پانی میں ملا کر بطور دوا استعمال کیے جاتے ہیں یا منی منی شکر کی گولیوں پر یہ قطرے ڈال کر دوا گولیوں میں منتقل کی جاتی ہے۔ یہ الکوحل اڑ جاتی ہے اور گولی پر صرف دوا کا اثر رہ جاتا ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ ہمارے فقہا اس استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہوں۔ ایسے ہی بعض عطریات ہیں جو صرف الکوحل میں حل ہو سکتے ہیں۔

اب چند لمحات کے لیے اس پر غور کریں کہ جسم یا لباس پر کولون کے استعمال کے بعد کیا صورت حال واقع ہوتی ہے۔ الکوحل چند لمحات میں بخارات کی شکل میں اڑ جاتی ہے اور جسم پر صرف خوشبو باقی رہ جاتی ہے، گویا جسم پر جو چیز باقی رہتی ہے وہ عطر ہے، نہ کہ الکوحل جس کی بنا پر لباس یا جسم کو نجس تصور کیا جائے۔ ہم یہاں پر اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ خود الکوحل میں جو نجاست ہے وہ مادی ہے یا روحانی و اخلاقی۔ چونکہ الکوحل جسم یا لباس پر باقی نہیں رہتی اس لیے جسم یا لباس کا نجس ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہم نے جان کر یہاں اس دلیل کا ذکر نہیں کیا جسے بعض ہم عصر علما بنیاد بناتے ہیں یعنی اہل مدینہ کا عمل۔ ان کا کہنا ہے کہ حرمین شریفین کے علما کولون کے استعمال کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ عملاً خود استعمال کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں قباحت نہیں۔ ہماری رائے کی بنیاد صرف قرآن و حدیث کا ظاہر مفہوم ہے۔

ایک آخری بات، اگر کسی شخص کا دل جسے ایک حدیث صحیح میں مفتی کہا گیا ہے اس تعبیر و تشریح سے مطمئن نہ ہو تو یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ کولون ہی استعمال کر کے معطر ہوا جائے۔ ہمارے روایتی عطریات جو عموماً کسی تیل کو بنیاد بنا کر بنائے جاتے ہیں، دنیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں، ان کا استعمال کریں۔ اور اگر آپ کا قلب مندرجہ بالا رائے پر مطمئن ہو تو کولون کو گناہ سمجھتے ہوئے نہیں قلب کی صفائی کے ساتھ استعمال کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ا-ا)

زرعی اراضی کی تحدید ملکیت

کیا زرعی زمین کی زیادہ سے زیادہ ملکیت کی کوئی حد مقرر کرنا قرآن و سنت کے احکام سے متصادم امر ہے؟ کیا قومی اور ملکی مفاد میں حکومت وقت، ملکیت زمین کی کوئی حد مقرر کر سکتی ہے یا اس کی مجاز ہے؟

شریعت اسلامیہ میں حلال اور جائز ذرائع سے ملک شدہ اشیا بشمول اراضی وغیرہ کی ملکیتی تحدید کے بارے میں خصوصی اصول و ضوابط اختیار نہیں کیے گئے ہیں۔ البتہ انفرادی ملکیت کے مفاد عامہ اور اجتماعی مصالح پر جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کے تناظر میں ایسے قواعد موجود ہیں جو ذاتی حق ملکیت کی عمومیت کو

ہومیوپیتھی بھی ہے جس میں ایسے اجزا استعمال کیے جاتے ہیں جو صرف الکوحل میں حل ہو سکتے ہیں۔ ان ادویات کو بطور عطر جسم پر ملا نہیں جاتا بلکہ ایک دو قطرے پانی میں ملا کر بطور دوا استعمال کیے جاتے ہیں یا منی منی شکر کی گولیوں پر یہ قطرے ڈال کر دوا گولیوں میں منتقل کی جاتی ہے۔ یہ الکوحل اڑ جاتی ہے اور گولی پر صرف دوا کا اثر رہ جاتا ہے۔ میرے علم میں نہیں کہ ہمارے فقہا اس استعمال کو ناجائز قرار دیتے ہوں۔ ایسے ہی بعض عطریات ہیں جو صرف الکوحل میں حل ہو سکتے ہیں۔

اب چند لمحات کے لیے اس پر غور کریں کہ جسم یا لباس پر کولون کے استعمال کے بعد کیا صورت حال واقع ہوتی ہے۔ الکوحل چند لمحات میں بخارات کی شکل میں اڑ جاتی ہے اور جسم پر صرف خوشبو باقی رہ جاتی ہے، گویا جسم پر جو چیز باقی رہتی ہے وہ عطر ہے، نہ کہ الکوحل جس کی بنا پر لباس یا جسم کو نجس تصور کیا جائے۔ ہم یہاں پر اس بحث میں نہیں جانا چاہتے کہ خود الکوحل میں جو نجاست ہے وہ مادی ہے یا روحانی و اخلاقی۔ چونکہ الکوحل جسم یا لباس پر باقی نہیں رہتی اس لیے جسم یا لباس کا نجس ہونا اس سے ثابت نہیں ہوتا۔ ہم نے جان کر یہاں اس دلیل کا ذکر نہیں کیا جسے بعض ہم عصر علما بنیاد بناتے ہیں یعنی اہل مدینہ کا عمل۔ ان کا کہنا ہے کہ حرمین شریفین کے علما کولون کے استعمال کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ عملاً خود استعمال کرتے ہیں جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں قباحت نہیں۔ ہماری رائے کی بنیاد صرف قرآن و حدیث کا ظاہر مفہوم ہے۔

ایک آخری بات، اگر کسی شخص کا دل جسے ایک حدیث صحیح میں مفتی کہا گیا ہے اس تعبیر و تشریح سے مطمئن نہ ہو تو یہ قطعاً ضروری نہیں ہے کہ کولون ہی استعمال کر کے معطر ہوا جائے۔ ہمارے روایتی عطریات جو عموماً کسی تیل کو بنیاد بنا کر بنائے جاتے ہیں، دنیا میں ہر جگہ پائے جاتے ہیں، ان کا استعمال کریں۔ اور اگر آپ کا قلب مندرجہ بالا رائے پر مطمئن ہو تو کولون کو گناہ سمجھتے ہوئے نہیں قلب کی صفائی کے ساتھ استعمال کریں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (ا-ا)

زرعی اراضی کی تحدید ملکیت

کیا زرعی زمین کی زیادہ سے زیادہ ملکیت کی کوئی حد مقرر کرنا قرآن و سنت کے احکام سے متصادم امر ہے؟ کیا قومی اور ملکی مفاد میں حکومت وقت، ملکیت زمین کی کوئی حد مقرر کر سکتی ہے یا اس کی مجاز ہے؟

شریعت اسلامیہ میں حلال اور جائز ذرائع سے ملک شدہ اشیا بشمول اراضی وغیرہ کی ملکیتی تحدید کے بارے میں خصوصی اصول و ضوابط اختیار نہیں کیے گئے ہیں۔ البتہ انفرادی ملکیت کے مفاد عامہ اور اجتماعی مصالح پر جو اثرات مترتب ہوتے ہیں ان کے تناظر میں ایسے قواعد موجود ہیں جو ذاتی حق ملکیت کی عمومیت کو

نمایاں حد تک کچھ خصائص اور شرائط کا پابند بناتے ہیں۔

زرعی اراضی کی تحدید ملکیت کا مسئلہ مختلف ریاستوں میں نوعیت کے اعتبار سے متفاوت ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ ذرائع ملکیت یکساں حکم نہیں رکھتے اور نہ ہی ایک علاقے کا عمومی مفاد دوسرے علاقے کی اجتماعی مصلحتوں سے یقیناً مشابہت رکھتا ہے۔ معروضی اعتبار سے بھی یہ مسئلہ کافی تفصیل طلب ہے لیکن فی الوقت جملہ تفصیل ہمارا موضوع نہیں' للذا ہم محض تحدید ملکیت کو جواز فراہم کرنے والے ان قوانین کا ذکر کریں گے جو کسی بھی ریاست کے لیے مخصوص حالات اور شرعی مقاصد میں مذکورہ اقدام کی وجہ جواز بن سکتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ قوانین ذاتی حقوق ملکیت میں ریاست کی مداخلت اور استحقاق کو ثابت کرتے ہیں۔ غالباً انھی خاص اصولوں کے سبب یہ مسئلہ از قبیل اجتہاد دکھائی دیتا ہے اور تحدید ملکیت کے بارے میں خلفاے راشدین اور دیگر اسلامی حکمرانوں کا تعامل دیکھ کر واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی اسلامی حکومت میں مصلحت عامہ کے تحت یہ موضوع **اولی الامر** کے لیے محل اجتہاد ہے۔

۱۔ **الحجر۔ ذاتی ملکیت میں تصرف سے ممانعت:** مذاہب اربعہ کے فقہا اس بات پر تقریباً متفق نظر آتے ہیں کہ کسی بھی شخص پر ضیاع مال' لغویات میں انہماک' اسراف و تبذیر' لہو و لعب اور مکروہ و حرام امور میں مبتلا ہو جانے کے سبب ریاست ایسی پابندی عائد کر سکتی ہے جو اس شخص کے لیے ذاتی املاک میں کسی بھی تصرف کو ممنوع قرار دے دے۔(۱)

۲۔ **زائد اموال میں ریاست کی مداخلت:** اس قاعدے کی بنیاد اگرچہ قرآن پاک میں محض ترغیب کے پہلو سے ذکر ہوئی ہے(۲) مگر خلفاے راشدین میں سے حضرت عمرؓ(۳) اور حضرت عثمان غنیؓ(۴) سے یہ ثابت ہے کہ وہ دونوں بطور حاکم لوگوں سے عند الضرورت اس کا مطالبہ کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ نے کئی سابقہ عطیات واپس لے لیے۔(۵) بعد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بھی اسی سنت پر عمل کیا اور کئی جاگیریں قومی تحویل میں لے لیں۔(۶) عملی اقدام کے علاوہ حضرت عمرؓ نے اس نظریے کا اظہار ایک سے زائد مرتبہ کیا(۷)۔

۳۔ **التسعیر۔ لوگوں کی قابل فروخت مملوکہ اشیا کی جبراً قیمت مقرر کرنا:** عمومی اصول کے مطابق انسان مملوکہ اشیا کی اپنی مرضی کے مطابق خرید و فروخت کر سکتا ہے اور ان کی قیمت مقرر کرنے کا اسے اختیار حاصل ہے مگر مخصوص حالات میں ریاست عام افراد سے ان کی یہ آزادی سلب کرنے کا حق رکھتی ہے اور اپنی مرضی سے قیمتوں کا تقرر کر سکتی ہے جو عام لوگوں کی قوت خرید کے عین موافق ہو۔ اس قانون کی عملی تفاصیل میں اگرچہ اختلاف کی گنجایش موجود ہے مگر اسلامی شرع میں اس اصول کی اہمیت اور حقیقت کا اقرار کیا گیا ہے۔(۸)

اسلامی ریاست عام مسلمانوں کے اجتماعی مفاد اور عمومی مصلحت کا تحفظ چونکہ بجز ایسے قوانین کے نہیں

کر سکتی لہٰذا ان کا نفاذ حسب حاجت ضروری قرار پاتا ہے(۹)۔ صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی ریاست مصلحت اجتماعی اور فائدہ عامہ کی خاطر لوگوں کی کچھ اشیا جبراً خرید سکتی ہے(۱۰)۔

۴۔ **صدقات واجبہ کے علاوہ ریاستی محصولات:** محصولات شرعیہ کا معاملہ بہت واضح ہے مگر شریعت اسلامیہ میں اسلامی ریاست کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ بنیادی حکومتی فرائض اور کفالت عامہ کے قیام کے لیے لوگوں پر مزید محصول عائد کرے(۱۱)۔

۵۔ **عقوبات مالیہ:** بنیادی طور پر اسلامی ریاست میں سزاؤں کا مقصد انفرادی و اجتماعی مفادات کا تحفظ اور انھیں فساد و مضرت سے بچانا ہوتا ہے لیکن مالی سزاؤں اور جرمانوں میں انفرادی ملکیتوں کے اندر ریاستی مداخلت کا تصور بھی پایا جاتا ہے(۱۲)۔ اس باب کا اتنا ہی حصہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے کہ سزا کے طور پر لوگوں کے اموال کی تلفی (بلامعاوضہ) اور ضبطی بھی اس میں شامل ہیں(۱۳)۔

مندرجہ بالا قوانین پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عمومی طور پر ریاست افراد کی ملکیتوں پر اجتماعی مصالح اور مفاد کی خاطر حق تصرف رکھتی ہے۔ زرعی زمینوں کا معاملہ بھی ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ بھی منجملہ انھی ملکیتوں کے ہے بالخصوص ایسی زرعی زمینیں جن کی ملکیت شبہ اور شک سے خالی نہ ہو ان پر تو اسلامی حکومت بالاولیٰ تحدیدی اقدامات کر سکتی ہے جب کہ وہ غیر مشتبہ اور صافی تملیکات میں بھی اپنا حق تصرف رکھتی ہو جیسا کہ سطور بالا سے واضح ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مشہور و معروف معاصر علما کرام اور اسلامی مفکرین نے بھی تحدید اراضی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے(۱۴)۔

(عبدالحق ہاشمی، توثیق مولانا عبدالحق بلوچ)

حوالے

۱۔ الفقه علی المذاهب الاربعه للجزیری ج ۲، ص ۴۷۸۔ ۴۸۳۔

۲۔ کفایه شرح ہدایه۔ کتاب الحجر، نیز دیکھیے المبسوط للسرخسی ج ۲۴، ص ۱۵۵

۳۔ تاریخ طبری دیکھیے حوادث ۲۳، ص ۲۷۷۴ نیز دیکھیے المحلی لابن حزم الاندلسی ج ۶، ص ۱۵۸

۴۔ تاریخ طبری حوادث ۳۴، ص ۲۹۴۸۔۹

۵۔ ایضاً

۶۔ دیکھیے خلیفه الزاہد عمر بن عبدالعزیز، ص ۹۹، عبدالعزیز السید۔

۷۔ البدایة والنهایه لابن کثیر ج ۷، ص ۴۶ نیز تاریخ طبری حوادث ۱۶، ص ۲۴۸۷۔ الادب المفرد للبخاری ص ۸۲۔۸۳، طبقات ابن سعد ۳، ص ۳۱۷

۸۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الاشباہ والنظائر لابن نجیم ص ۱۲۱۔۱۲۹، الحسبه فی الاسلام لابن تیمیه 'باب السعیر

نیز الهدایه باب الکراهیه

۹۔ الاحکام فی اصول الاحکام الامدی ج ۱، ص ۱۵۸۔ السیاسیه الشرعیه لابن تیمیه ص ۱۳۷۔ القرطبی احکام القرآن ج ۲، ص ۸۵

۱۰۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الحسبه فی الاسلام لابن تیمیه ص ۱۹۔ ۲۳۔ ۳۷۔ مزید دیکھیے الطرق الحکمیه لابن قیم، ص ۲۲۳۔ ۲۲۴

۱۱۔ تفصیل کے لیے دیکھیے الاعتصام للشاطبی، ج ۲، ص ۲۹۵ تا آخر بحث۔ المبسوط للسرخسی ج ۱۰، ص ۲۰ نیز دیکھیے المحلی لابن حزم ج ۶، ص ۱۵۶۔ اور المستصفی للغزالی ج ۱، ص ۳۰۳۔ ۳۰۴ الاحکام السلطانیه للماوردی باب احکام الحسبہ الاحکام السلطانیه لابی یعلی الموصلی ص ۲۷۳۔ ۲۷۴

۱۲۔ نیل الاوطار للشوکانی ج ۴، ص ۱۸۱۔ فتاوی بزازیه ۲، ص ۴۵۷۔ التعزیر فی الشرعیه الاسلامیه ص ۲۲۳۔ ۲۲۴ لدکتور عبدالعزیز عامر۔ تفصیل کے لیے دیکھیے التشریع الجنائی فی الاسلام عبدالقادر عودہ شہید، عقوبه المرتد نیز کتاب الاموال لابی عبیده، ص ۳۷۶

۱۳۔ المرجع السابق، نیز فتوح البلدان للبلاذری ص ۳۷۷۔ سیرت ابن ہشام ج ۲، ص ۴۲، ج ۳، ص ۳۶۔ الحسبه لابن تیمیه ص ۴۱ ومابعده

۱۴۔ تفصیلاً" دیکھیے الاموال ونظریه العقد فی الفقه الاسلامی لدکتور یوسف موسیٰ ص ۱۹۹۔ مسئلہ ملکیت زمین، سید ابوالاعلیٰ مودودی۔ الاشترکیه فی الاسلام ص ۱۲۹ دکتور مصطفیٰ السباعی۔ اسلام کا نظریہ ملکیت، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی ج ۲، ص ۲۴۵ تا آخر بحث۔ نیز دیکھیے موقف الاخوان من تحدید الملکیه، حسن الهضیبی مرشد العام الاسبق للاخوان۔

سالانہ خریداروں سے درخواست ہے کہ اگر ان کو پرچہ ۱۰ تاریخ تک بھی نہ ملے تو ازراہ کرم دفتر کو مطلع کر دیں تاکہ دوبارہ ارسال کیا جا سکے۔

ہم اس تعاون پر ممنون ہوں گے۔

کراچی کے خریدار بک ڈسٹری بیوٹرز (فون ۷۷۸۱۳۷) پر خریداری نمبر کے ساتھ نوٹ کروا دیں۔

مینیجر

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: "یارسول اللہ! مجھے مختصر نصیحت فرمایئے۔ آپؐ نے فرمایا: ا۔ جب تم نماز پڑھو تو ایسی نماز پڑھو جیسے یہ تمھاری آخری نماز ہو۔ ۲۔ ایسی بات نہ کرو جس سے کل کے دن معذرت کرنا پڑے۔ ۳۔ ان چیزوں کی آس میں مت رہو جو لوگوں کے پاس ہیں۔

(ابن ماجہ) بحوالہ مجموعہ الاحادیث الصحیحہ

کتاب نما

اقبال، ایک مسلم سیاسی مفکر، ڈاکٹر مشیر الحق۔ مرتبہ: ماہ طلعت علوی۔ مکتبہ جامعہ، نئی دہلی۔ صفحات: ۸۲۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

ڈاکٹر مشیر الحق مرحوم برسوں تک جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں علوم اسلامیہ کے استاد رہے۔ انھوں نے ڈاکٹر عابد حسین کی نگرانی میں ڈاکٹریٹ مکمل کیا۔ چنانچہ اس مجموعے کے دیباچہ نگار پروفیسر آل احمد سرور کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ مشیر الحق، جامعہ سکول کی دانش ورانہ روایت سے تعلق رکھتے ہیں۔ مزید برآں ان کی "اعلیٰ تعلیم مانٹریال میں پروفیسر کینٹ ویل اسمتھ کے سائے میں ہوئی" --- اس روایت، تعلق اور سائے کے اثرات، زیر نظر مجموعہ مضامین میں صاف محسوس کیے جاسکتے ہیں--- مشیر الحق، عمر کے آخری حصے میں کشمیر یونی ورسٹی سری نگر کے وائس چانسلر ہو گئے تھے۔ اپریل ۱۹۹۰ میں نامعلوم افراد نے انھیں اغوا کر لیا اور چند روز بعد گولی مار کر شہید کر دیا۔

اقبال کے انگریزی خطبات (Reconstruction) پر توجہ و اِعتنا کا رجحان حالیہ برسوں میں نمایاں ہوا ہے۔ پروفیسر مشیر الحق، مطالعہ خطبات اقبال کے اس مکتب فکر کے پرجوش علم بردار نظر آتے ہیں جو خطبات کو، اقبال کی شاعری سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ ان کے خیال میں اقبال کے "مذہبی خیالات" سے آگاہی بھی خطبات ہی کے ذریعے ہوتی ہے اور اصل اقبال وہ ہے جس کی فکر و دانش خطبات (نہ کہ شاعری) میں مضمر ہے۔ افسوس ہے کہ تاحال اسے دریافت نہیں کیا گیا۔ وہ اقبال کی شاعری پر خط تنسیخ کھینچ کر یا اسے پس پشت ڈال کر، فکر اقبال کی تعبیر محض خطبات کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہمیں اقبال کے فلسفے کو "ان کے اشعار کی بھول بھلیوں سے باہر نکل کر ان کے خطبات میں دیکھنا چاہیے، جسے ایک طرح سے ان کے مذہبی خیالات کا متن کہا جاسکتا ہے"۔ (ص ۴۲)

خیال رہے کہ ۱۹۸۷، ۱۹۸۸ کے زمانے میں اقبال، اجتہاد اور پارلیمنٹ کی تکوین پر پاکستانی اخبارات میں جو دلچسپ بحث چلی، اس میں ایک بزرگ (ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، وفات: ۴ر اپریل ۱۹۹۵) نے خطبات کو فکر اقبال کا بنیادی ماخذ اور اسے اقبال کی جملہ تصانیف میں ان کی نمایندہ کتاب اور ان کی اردو فارسی شاعری کو

ثانوی نوعیت کی چیز قرار دیا تھا۔

بلاشبہ فکر اقبال کی تفہیم میں خطبات کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیے مگر اس کوشش میں' اقبال کے باقی شعری و نثری متن کو نظرانداز کرنا پرلے درجے کی بے انصافی ہو گی۔ یہ اصرار قطعی بے جواز ہے کہ اقبال کو اول و آخر' خطبات کے ذریعے سمجھا جائے اور یہ کہنا تو سراسر زیادتی یا نادانی ہے کہ "اقبال' ان خطبات کو حاصل زندگی سمجھتے تھے" (ص ۴۴)۔ اقبال نے تو "جاوید نامہ" کو اپنا Life Work بتایا تھا (مکتوب بنام محمد جمیل' Letters of Iqbal' مرتبہ : بشیر احمد ڈار' ص ۱۱۹)۔

جناب مشیر الحق کو شکوہ ہے کہ ہمارے علما نے خطبات اقبال پر توجہ نہیں دی' اگرچہ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے ان پر ایک کتاب لکھی' مگر علی میاں' سید سلیمان ندوی جملہ علماے کرام--- اور اقبال کے درمیان' خطبات کے حوالے سے ایک مغائرت موجود تھی--- ہمارے خیال میں علامہ اقبال اور علماے کرام دونوں' اسلام کے بارے میں ایک دوسرے کے اخلاص کے قائل تھے۔ علامہ اقبال' اسلام کی نشوونما کے لیے اجتہاد کو ضرورت سمجھتے تھے اور علما نے بھی اجتہاد کی اہمیت سے کبھی انکار نہیں کیا۔ اقبال نے خطبات میں اپنی بعض آرا غوروفکر کے لیے پیش کی ہیں مگر ساتھ ہی کہہ دیا ہے کہ کوئی چیز حرفِ آخر نہیں ہوتی۔ اب اگر علما' خطبات کے بارے میں کچھ تحفظات رکھتے ہیں اور انھیں اقبال کا "حاصل زندگی" نہیں سمجھتے تو اسے فروعی اختلاف سمجھنا چاہیے' نہ کہ بنیادی مغائرت۔

پروفیسر مشیر الحق کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ اقبال کے نزدیک اجتہاد' حقیقتاً اسلام کی حرکی روح کو جاری رکھنے کا ایک ذریعہ ہے' خود اپنی جگہ مقصد نہیں ہے--- لیکن اقبال کا منشا' انھیں جن پاکستانی علما اور دانش وروں کے اجتہادی رویوں میں نظر آیا (یا مشیر الحق صاحب نے اجتہادی رویّوں کے انطباق کے لیے جنھیں چنا) وہ ہیں: مولانا جعفر شاہ پھلواروی' عمر احمد تھانوی اور عباد اللہ اختر--- کیا دیانت داری سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ تین اصحاب پاکستانی مذہبی فکر کے نمایندے ہیں؟ (۳۱ علما' کسی شمار و قطار میں نہیں آتے)۔

پروفیسر مشیر الحق نے ایک جگہ ادارہ دارالاسلام جمال پور' نزد پٹھان کوٹ کا بھی ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں: "اقبال کا دارالاسلام' مولانا مودودی کے دارالاسلام سے بہت مختلف تھا۔ اقبال فرد کی تربیت کرنا چاہتے تھے۔ دونوں کا ذہن مختلف تھا' مطمح نظر الگ تھا اس لیے یقینی ہے کہ اگر اقبال زندہ رہے ہوتے تو دونوں کے اختلافات کھل کر سامنے آ جاتے--- اور جسے دنیا دیکھتی' اس پر پردہ ہی پڑا رہ گیا" (ص ۴۶)۔ قطع نظر اقبال و مودودی کے اختلافات کو دیکھنے کی اس شدید حسرت کے' جو مشیر الحق مرحوم کے آخری دو تین جملوں میں چھپی ہوئی ہے' سوال یہ ہے کہ اگر ذہن اور مطمح نظر کا ایسا ہی شدید اختلاف تھا تو اقبال نے' مولانا کو بلایا ہی کیوں؟ (وہ خود معترف ہیں: "انھوں نے حیدر آباد سے مدیر ترجمان القرآن مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کو بلا کر اس

ادارے کی باگ سپرد کر دی"۔)

پروفیسر مشیر الحق نے اقبال کو ایک سیاسی مدبّر یا ایک ماڈرن مسلم مفکر کے طور پر بھی ناکام قرار دیا ہے۔ اول تو وہ یہ تسلیم کرنے میں متامّل ہیں کہ اقبال کے ہاں قیام پاکستان کا کوئی تصور ملتا ہے۔ چوں کہ خطبہ الٰہ آباد اور خاص طور پر قائداعظم کے نام خطوط کی، بجز اس کے، کوئی اور توجیہہ نہیں کی جا سکتی کہ اقبال ہندی مسلمانوں کے تہذیبی اور اسلامی تشخص کی بقا کے لیے شمال مغربی ہندستان میں، مسلم مرکزیت کے قائل تھے، اس لیے مشیر الحق، اسے اقبال کی "بدنصیبی" قرار دیتے ہیں کہ وہ ایک "بڑے اور وسیع علاقے میں اسلام کو نافذ کرنے کی فکر" سے دست بردار ہو کر "ایک مختصر سے علاقے میں بند ہو کر" رہ گئے (ص ۱۴)۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اقبال: "عالمی سطح کی بات تو چھوڑیے، کل ہند سطح پر بھی مسلم معاملات کا کوئی جامع تشفی بخش حل" پیش نہیں کر سکے۔

مختلف مسائل کے بارے میں مشیر الحق کے ذہن اور ان کی پسند و ناپسند کا اندازہ، ان کے انداز و اسلوب، خصوصاً کہیں کہیں ان کے طنزیہ لہجے سے بھی ہوتا ہے، مثلاً: پاکستان کے بارے میں: "اقبال کی آخری عمر کا یہ خواب ان کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد پورا ہوا اور دنیا کے نقشے میں ایک نئے ملک کا اضافہ ہوا، "عالم اسلام" کا تھوڑا سا رقبہ اور بڑھا" (ص ۷۳)۔ عالم اسلام اور مسلمانوں کے مسائل و معاملات کے تذکرے میں ان کا (رویہ ہمدردانہ کم ہے اور) طنزیہ لہجہ کھٹکتا ہے، خصوصاً: "اقبال، اپنی شکست کی آواز" میں۔ اس مضمون کا عنوان مرزا غالب کے مصرعے کے حوالے سے، اقبال کی "ناکامی" پر ایک گہرے طنز یا چوٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ تصحیح طلب: مولانا مدنی اور اقبال کے درمیان قومیت کے مسئلے پر تحریری مباحثہ انتقال سے "چند برس پہلے" (ص ۷۳) نہیں، چند ہفتے پہلے ہوا تھا۔ اسی طرح افغانستان ہجرت کرنے والے ظفر حسن ایبک تھے، نہ کہ "ظفر بیگ" (ص ۶۵)۔ بہتر ہے کہ "صلعم" (ص ۳) کو "صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا جائے یا صرف "ؐ"۔

مصنف کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اقبال نے فرد کو اپنا اصل مخاطب بنا کر، فرد کی کردار سازی کو بنیادی اہمیت دی ہے اور انھوں نے انسان کے اندرون کو بدلنے کا جو پیغام دیا تھا، وہ آج بھی ہر ایک کے لیے معنویت رکھتا ہے۔ اس کتاب سے علامہ اقبال اور پاکستان کی بارے میں معاصر بھارتی مسلم دانش وروں کا ذہن سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ (رفیع الدین ہاشمی)

The Quranic Treasures (۱)

Gifts from Muhammad (۲) مرتبہ: خرم مراد، ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن، لیسٹر۔ صفحات:

۶۰، ۶۴۔ قیمت: درج نہیں۔

حیات انسانی قطعی عارضی و فانی ہے، مگر اس کا ایک ایک لمحہ کائنات کی سب سے قیمتی متاع کی حیثیت رکھتا ہے۔ خرم مراد مرحوم، بساط بھر، زندگی اور وقت کے "بہترین استعمال" (the best use of) کے لیے کوشاں رہے۔ عمر کے آخری برس، وہ قلب کے معالجے کے لیے برطانیہ میں مقیم تھے، ان کا بیشتر وقت لکھنے پڑھنے میں صرف ہوا۔ مرحوم کی تصنیفی و تالیفی کاوشوں کا کچھ حصہ سامنے آچکا ہے، مگر متعدد تحریریں ہنوز تشنہ طباعت ہیں۔ ان کی وفات: (۱۹ دسمبر ۱۹۹۶) کے بعد منصۂ شہود پر آنے والے جیبی تقطیع کے دو کتابچے اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔

پہلا کتابچہ قرآن حکیم کی منتخب آیات کے ترجمے پر مشتمل ہے۔ دو صفحاتی دیباچے میں دل نشین پیرائے میں خیال انگیز گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن کیا کہتا ہے؟— یہ جاننا اس لیے اہم اور ضروری ہے کہ اس نے انسانی تہذیب و تاریخ پر نہایت گہرے اور دور رَس اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس نے بے شمار انسانوں کی فکر و سوچ کو تبدیل کیا اور ان کی زندگیوں کو تاثر و تحرک عطا کیا اور انھیں ایک خاص راستے پر گامزن کیا۔ یہ عمل چودہ سو سال سے جاری ہے۔ پھر یہ کہ جملہ الہامی کتابوں میں، قرآن ہی واحد کتاب ہے جس کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ جن لوگوں نے کلام الٰہی کو پیغمبر کی زبان سے سنا، ان کی زندگیاں حیرت انگیز طور پر منقلب ہوئیں۔ یہ ایسا کلام ہے جس نے ایک نئے انسان اور ایک نئے معاشرے کو جنم دیا۔ قرآن کے پیروکار، دنیا کی امامت کے منصب پر فائز ہوئے۔ کیوں کہ قرآن علم و دانش کا مرقع اور روشنی کا منبع ہے— اور اس طرح کے مدلل نکات، جو قاری کے دل و دماغ کو اپیل کرتے ہیں۔

دوسرے کتابچے میں، منتخب احادیث نبویؐ کے تراجم کو چالیس عنوانات کے تحت مرتب کیا گیا ہے۔ مرحوم نے یہ انتخاب اس دعا کے ساتھ پیش کیا ہے کہ یہ دنیا مقصدیت، سمت سفر، انصاف اور عفو و درگزر سے عاری ہو کر نفرت، بے انصافی اور تشدد کا شکار بن چکی ہے— خدا کرے نبی کریمؐ کے یہ منتخب اقوال و فرامین اس دنیا کے لیے حرارت و روشنی اور مسرت و امن کا باعث ثابت ہوں۔

دونوں کتابچے، اعلیٰ معیار پر طبع و شائع کیے گئے ہیں۔ (کاش اردو کتابوں کو بھی یہ معیار نصیب ہوتا۔) اور یہ خوب صورت تبلیغی تحفے، انگریزی خواں، خصوصاً غیر مسلم طبقے تک قرآن و حدیث کی تعلیمات پہنچانے کا موثر ذریعہ بن سکتے ہیں۔ (ر۔ ہ)

مسئلہ کشمیر کے امکانی حل، مرتبہ: ارشاد محمود، ناشر: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات: ۱۴۰۔ قیمت: ۷۰ روپے۔

مقبوضہ کشمیر کے جنت کدے کو خون رنگ کرنے والے بنیا سامراج نے وحشت و درندگی کی آخری حدوں کو چھو لیا ہے۔ ظلمت کی خون آشام رات بظاہر کٹتی دکھائی نہیں دیتی، تاہم انسانی تاریخ کا یہ فیصلہ کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جہد و جہاد کے قافلے کو آگ اور آہن بھی نہیں روک سکتے۔ آج اہل کشمیر کی بے چارگی کی ذمہ داری مسلم ممالک کے منصب اقتدار پر قابض ان حکمرانوں پر بھی عائد ہوتی ہے جو عالمی سامراج کے اشاروں پر امت مسلمہ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اگر یہ حکمران زبانی جمع و خرچ کے بجائے بھارت کا معاشی اور سماجی مقاطعہ کرتے، تو مقبوضہ کشمیر میں عصمت و عفت اور جان و مال کی پامالی کا گھناؤنا کھیل کب کا ختم ہو چکا ہوتا۔

زیر نظر کتاب میں امت مسلمہ کے اسی، سلگتے ہوئے، مسئلے کے ایسے مختلف حل زیر بحث لائے گئے ہیں، جو استصواب رائے کے علاوہ، تجویز کیے جاتے ہیں۔ ان میں خود مختار کشمیر، ٹرسٹی شپ (دس سالہ تولیت)، لسانی بنیادوں پر تقسیم، جنگ بندی لائن بطور مستقل سرحد اور جموں لداخ وادی اور شمالی علاقہ جات سمیت آزاد کشمیر کی تین منطقوں میں تقسیم وغیرہ شامل ہیں۔ اسی طرح کیمپ ڈیوڈ اور اوسلو قسم کے معاہدوں کے امکانات کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

یہ کتاب چھ مقالات پر مشتمل ہے: مسئلہ کشمیر، منظر و پس منظر از ارشاد محمود۔ تقسیم کشمیر ایک جائزہ از پروفیسر نذیر احمد شال۔ مسئلہ کشمیر اور ٹرسٹی شپ از ڈاکٹر ایس ایم قریشی۔ خود مختار کشمیر کا مقدمہ از امان اللہ خان۔ خود مختار کشمیر کیوں نہیں؟ از شیخ تجمل الاسلام اور تھرڈ آپشن علاقائی اور جغرافیائی تناظر میں از ارشاد محمود۔ مرتب نے اپنے دونوں مقالات میں تحقیقی اور تجزیاتی انداز سے پاکستان سے کشمیر کے الحاق کا مقدمہ پیش کیا ہے۔ پروفیسر شال نے اپنے فاضلانہ مقالے میں غیر جذباتی استدلال کی بنیاد پر ان تمام تجاویز کو مسترد کیا ہے جو تقسیم کشمیر سے منسوب ہیں۔ پاکستان کے سابق سفیر ڈاکٹر ایس ایم قریشی نے تاریخ عالم اور اقوام متحدہ کی آئینی دستاویزات کے حوالے سے یہ ثابت کیا ہے کہ کشمیر کو کسی بھی حوالے سے ٹرسٹی شپ کے جال میں نہیں پھنسایا جا سکتا۔ انھوں نے قانون بین الاقوام کی روشنی میں مسئلے کی نزاکت اور حقیقت کو مہارت سے واضح کیا ہے۔ امان اللہ خان نے خود مختار کشمیر کا مقدمہ بظاہر معروضی حقائق کے حوالے سے پیش کیا ہے، اور پہلی نظر میں قاری اس سے متاثر بھی ہوتا ہے، تاہم اگلے مقالات میں تصویر کا دوسرا رخ سامنے آتے ہی اس پر نظر ثانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ شیخ تجمل الاسلام نے خود مختار کشمیر کے تصور کی بھرپور اور مدلل تردید اور الحاق پاکستان کے نظریے کی تائید کی ہے۔ تاہم شیخ صاحب اپنے استدلال کو جذباتی رنگ اور تکرار مضمون سے پاک رکھتے تو بہتر ہوتا۔ کتاب کے دیباچہ نگار ڈاکٹر طاہر امین کا یہ موقف بالکل درست ہے کہ "پاکستان کے پالیسی ساز افراد کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ اگر یہ وقت نکل گیا تو مسئلہ کشمیر دوبارہ لمبے عرصے

کے لیے سرد خانے میں چلا جائے گا..... پاکستان اور بھارت کے درمیان طاقت کا عدم توازن ہی دراصل اس مسئلے کے حل ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے" (ص ۶)۔

کتاب کے آخر میں شامل ضمیمہ جات میں، مسئلے سے متعلق وثائق کو ترتیب زمانی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ مسئلہ کشمیر کے مختلف پہلو اور اس کے بارے میں مختلف موقف جاننے کے لیے یہ مختصر کتاب مفید و مددگار ہے اور اپنے موضوع پر ایک جامع دستاویز قرار دی جاسکتی ہے۔ اس اعتبار سے کشمیریات میں یہ ایک عمدہ اور بامعنی اضافہ ہے۔ (سلیم منصور خالد)

تالیف، ڈاکٹر خورشید رضوی۔ ناشر: شہ تاج مطبوعات لاہور۔ صفحات: ۲۶۴۔ قیمت: ۲۰۰ روپے۔

زیر نظر کتاب کے زیادہ تر مضامین چند علمی و ادبی شخصیات کے بارے میں ہیں جن میں سے بعض کے ساتھ مصنف کو براہ راست ملاقات اور صحبت و گفتگو کا موقع حاصل ہوا اور بعض کے ساتھ ان کے برسوں پر پھیلے ہوئے دوستانہ اور برادرانہ تعلقات قائم رہے۔ ان میں انور مسعود، پروفیسر غلام جیلانی اصغر اور علامہ عبدالعزیز میمن کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ علاوہ ازیں رضوی صاحب نے ان علمی و ادبی اکابر کے بارے میں بھی قلم اٹھایا ہے جو نہ صرف اپنے زمانے میں آسمان علم و ادب کے درخشاں آفتاب تھے بلکہ وہ ابھی تک شعر و ادب اور علم و آگہی کی دنیا میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں۔ شخصیات کے علاوہ بعض علمی و ادبی موضوعات پر کچھ مضامین اور تراجم کتاب کے آخری حصے میں شامل ہیں جس سے کتاب متنوع اور افادیت کے اعتبار سے دوچند ہو گئی ہے۔

بالعموم دیکھا گیا ہے کہ علمی ثقاہت کے بوجھ تلے شاعری اور تحریر کی شگفتگی دم توڑ جاتی ہے مگر خورشید رضوی کی نثر کی یہ نمایاں خوبی ہے کہ خالص علمی موضوع کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے بھی ان کی تحریر کی سلاست، روانی اور شگفتگی برقرار رہتی ہے۔ ہم عصر شخصیات کے بارے میں لکھنا پل صراط پر گامزن ہونے کے مترادف ہے۔ تعریف ایک خاص حد سے بڑھ جائے تو بے اعتدالی--- اور نشتر تنقید کے استعمال میں اگر ذرا سی بھی بے احتیاطی ہو جائے تو آبگینوں کو ٹھیس لگ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ خورشید صاحب اس نازک کام سے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ عہدہ برا ہوئے ہیں۔

خورشید صاحب کو اللہ نے قوی حافظے کی عظیم نعمت سے نوازا ہے۔ جو شے ایک مرتبہ ان کی نظر سے گزر گئی، اسے ان کے ذہنی کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کر لیا۔ اسی بنا پر وہ برسوں پہلے کسی دوست سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ابھی ابھی وہاں سے اٹھ کر آئے ہیں اور آتے ہی انھوں نے قارئین کو وہ باتیں سنانا شروع کر دی ہیں۔ شخصیت نگار کا حافظہ اتنا قابل اعتماد ہو تو اس کی بیان کردہ باتیں

بھی اتنی ہی قابل اعتبار ہو جاتی ہیں۔

علامہ عبدالعزیز میمن اور پیر محمد حسن نہایت وقیع علمی شخصیات ہیں۔ ان پر مضامین سے قاری کو ان کے بلند پایہ علمی مقام و مرتبے کے بارے میں آگہی ہوتی ہے۔ علمی مباحث کا ذکر ایسے خوش گوار پیرائے میں کیا گیا ہے کہ قاری نہ صرف اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ وہ علمی مباحث سے نہایت دلچسپی کے ساتھ استفادہ کرتا ہے۔ ناصر کاظمی، مجید امجد اور ضمیر جعفری ایسی ادبی شخصیات کا تذکرہ قدرے مختلف رنگ میں ہوا ہے۔ وہ انھیں کوئی مافوق الفطرت مقام نہیں دیتے بلکہ ان کی بشری کمزوریوں کا لطیف پیرائے میں ذکر کرتے ہیں مگر اس سے ان کی مجموعی عظمت کا تاثر زیادہ واضح انداز میں ابھر کر سامنے آتا ہے۔ پروفیسر غلام جیلانی اصغر اور انور مسعود کو خورشید رضوی نے بہت قریب سے دیکھا ہے اور ان کے ساتھ ان کے برسوں پر پھیلے ہوئے بے تکلفانہ تعلقات قائم ہیں۔ اس لیے یہاں مشاہداتی رنگ اور بھی گہرا ہے۔ وہ ان شخصیات کے طبائع کے مختلف رنگوں کو پوری چابک دستی کے ساتھ قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

دو مضامین نادیدہ شخصیات کے بارے میں ہیں۔ ایک طٰہٰ حسین کے بارے میں اور دوسرا نوبل انعام یافتہ مصری ادیب نجیب محفوظ اور ان کے ادبی کام اور مقام کے بارے میں۔ دونوں مضامین نہایت وقیع ہیں۔ پاکستان کے ادبی و علمی حلقوں میں نجیب محفوظ اور ان کے ادبی مقام و مرتبے کو جاننے کی زبردست خواہش موجود تھی۔ اس مضمون سے یہ ضرورت کسی حد تک پوری ہو جاتی ہے۔ عربی ادب ہی کے سلسلے میں دو اہم مضمون "عربی شاعری اندلس میں" اور "اقبال، عربی اور دنیائے عرب" پوری علمی جستجو اور تحقیقی لگن کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔ ایک اور مضمون کے ذریعے ہندی ادب کے ایک کلاسیکل شاہکار "پنج تنتر" کو نہایت عمدہ انداز میں اردو ادب کے قارئین سے متعارف کرایا گیا ہے۔

متفرق نویسی پر مشتمل یہ کتاب خورشید رضوی کے وسعت مطالعہ، ذہنی کشادگی اور عمدہ ادبی ذوق کی ایک جھلک قارئین کے سامنے پیش کرتی ہے۔ ہم توقع کرتے ہیں کہ اس کتاب کی پذیرائی کے بعد خورشید رضوی اپنے علمی و تحقیقی مشاغل کے ساتھ ساتھ اس متفرق نویسی پر بھی توجہ دیں گے اور اپنے شگفتہ و موثر طرز تحریر سے اردو کے سرمایہ ادبی کو مالا مال کرتے رہیں گے۔ (ڈاکٹر حسین احمد پراچا)

تذکرۃ القرّاء، محمد الیاس الاعظمی۔ ناشر: دانش بک ڈپو ٹانڈہ، ضلع فیض آباد، یوپی۔ صفحات: ۲۱۷۔ قیمت: ۵۰ روپے۔

قرآن کریم سات متداول قراءتوں میں تلاوت کیا جاتا ہے۔ اس کی بنیاد فن قراءت کے سات امام ہیں۔ پھر ان میں سے ہر امام فن کے دو دو شاگرد ایسے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے امام کے اسلوب اور لہجے کو

آگے منتقل کیا ہے۔ یوں قراءَت کے چودہ لہجے اور اختلاف ہیں۔ اسلوب اور لہجے سے آگے بڑھ کر الفاظ اور تلفظ کے اختلافات بھی ہیں جو سب معروف اور جائز ہیں۔ بعض تفاسیر قرآن میں ان اختلافات کی نشان دہی کر دی گئی ہے، جیسے علامہ ابن جوزی کی "زاد المسیر" میں۔

زیر نظر کتاب میں بیس قاری حضرات (امام نافع، امام ابن کثیر، امام حفص، امام عاصم، امام عبداللہ ابن عامر شامی وغیرہ) کے حالات بیان کیے گئے ہیں جو اس فن کے اساتذہ ہیں۔ ان میں سب سے پہلے امام نافع مدنی کا نام آتا ہے۔ عربی ان کی مادری زبان تھی۔ مدینۃُ النبیؐ کے رہنے والے تھے۔ وہ کثیرا لشّیوخ تھے، یعنی جن اساتذہ سے انھوں نے قرآن کریم سبقاً سبقاً پڑھا، ان کی تعداد کثیر ہے، مثلاً: حضرت عبداللہؓ بن مسعود، حضرت ابیؓ بن کعب اور حضرت ابو ہریرۃؓ ان کے اساتذہ تھے اور انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کریم پڑھا اور سیکھا تھا۔ امام نافع مدنی کے ایک شاگرد کے بارے میں صرف ایک بات ملاحظہ کیجیے۔ وہ متواتر پچاس سال (تیس سال تعلیم کے دوران میں اور بیس سال حصول تعلیم کے بعد) اپنے استاد امام نافع کو قرآن پاک سناتے رہے اور فن قراءَت کے رموز و نکات ان سے سمجھتے رہے۔ فن قراءَت میں مہارت تامہ کے ساتھ ساتھ، یہ قاری حضرات، علم حدیث اور علم شریعت میں بھی اپنے دور کے ممتاز علما کرام میں شمار ہوتے تھے۔

یہ کتاب قاری حضرات کے علاوہ مدارس کے طلبہ کے لیے بھی معلومات افزا ہے۔ (عاصم نعمانی)

IQBAL : from Finite to Infinite، معین الدین عقیل۔ ناشر: ابو الکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۹۱/۱ علی گڑھ کالونی، کراچی۔ صفحات: ۵۹۔ قیمت: درج نہیں۔

جامعہ کراچی میں شعبہ اردو کے استاد، ڈاکٹر معین الدین عقیل (حال استاد اردو، ٹوکیو یونی ورسٹی) نے زیر نظر کتاب میں متحدہ ہندستان میں نظریہ اسلامی قومیت کے فروغ پر علمی انداز میں جان دار بحث کی ہے۔ بیسویں صدی کا سیاسی مدّوجزر اور فکر اقبال کے پس منظر میں آزادی کی تحریک کا ارتقا بھی دکھایا گیا ہے۔ عموماً اقبال کو سمجھنے کے لیے اردو کلام کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے، مذکورہ تحقیق میں اقبال کے فارسی کلام اور نثری تحریروں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ اپنے موضوع پر انگریزی زبان میں یہ ایک جامع اور مربوط تحریر ہے۔ تاریخ، سیاسیات اور اقبالیات سے شغف رکھنے والوں کے لیے ایک مفید اور عمدہ تحفہ ہے۔ (محمّد ایوب منیر)

مدیر کے نام

محمود الحسن چودھری، کوٹلی

محترم خرم مرادؒ کی وصیت (مارچ، اپریل ۹۷) کو کئی بار پڑھا۔ ہر مرتبہ زندگی گزارنے کے لیے نئی باتیں نئے گوشے سامنے آئے۔ میں نے تو یہ محسوس کیا کہ یہ وصیت میرے لیے ہی ہے۔ اللہ مجھے ایسی ہی متوازن زندگی گزارنے کی توفیق دے! اور میرے نیک اعمال کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ وہ میرے محسن، میرے مرشد، میرے استاد تھے۔ اللہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین! نفس کے فریب اور قرآن میں ابتلا و آزمایش (اپریل ۹۶) بہت پسند آئے۔

محمد حسین سومرو، شکارپور

محترم خرم مرادؒ کی وصیت پڑھ کر یوں لگا کہ جیسے وہ ہمارے درمیان موجود ہیں، کسی اجتماع میں ہم سے مخاطب، وہی انداز، وہی آواز جیسے کانوں میں رس گھول رہی تھی۔ شاید زندگی میں کبھی اتنی توجہ سے انھیں نہیں سنا اور پڑھا جتنی توجہ سے ان کی وفات کے بعد۔ جیسے جینے کے ڈھنگ اور مرنے کی تیاری کے لیے نشان راہ مل گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین! اور ہمیں بھی ایسی ہستیوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ پروفیسر خورشید احمد کے اشارات، حجاب کے اندر، مغرب اور اسلام اپنی اثر پذیری کے لحاظ سے بہت ہی اچھا انتخاب ہے۔ امید ہے، اور دعا بھی، کہ خرم مرادؒ نے جس مشن کا آغاز کیا تھا، وہ ترجمان القرآن کے ذریعے کامیابی سے اپنی منزل کی طرف گامزن رہے۔ یہ کام کٹھن ضرور ہے لیکن ان شاء اللہ، اللہ کی نصرت آپ کے شامل حال ہوگی۔ آمین!

عنایت علی خان، حیدر آباد

حجاب کے اندر (مارچ ۹۷) نہایت موثر ہے۔ اسے زیادہ سے زیادہ افراد تک پہنچنا چاہیے۔ ہم مسلمان نو مسلموں کی تحریر سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں، خولہ لکاتا نے لکھا بھی بہت دلنشیں انداز سے ہے۔

احمد رضا، لاہور

ایک دوست نے بتایا کہ ایک ملازمت پیشہ خاتون نے "حجاب کے اندر" کے مطالعے کے بعد حجاب اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری بہنوں کو نیا ایمان عطا کرے اور وہ طمانیت قلب سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام پر عمل کریں۔

خلیل الرحمٰن ' لالہ موسیٰ

اشارات (اپریل ۹۷) میں آپ نے موجودہ حکمرانوں کو کشمیر کے بارے میں بہت اچھی رہنمائی دی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ تمام امور بالآخر مذاکرات کی میز پر ہی طے پاتے ہیں' مگر یہ بھی تاریخی حقیقت ہے کہ ہم نے ہمیشہ بازی مذاکرات کی میز پر ہی ہاری ہے۔ ڈپلومیسی کے موضوع پر ہنری کسنجر کی کتاب' مذاکرات کی اہمیت پر خوب روشنی ڈالتی ہے۔ امریکہ نے اس میں مہارت کے ذریعے اپنے مفادات کی خاطر دوسری قوموں کو ننگی کا ناچ نچا رکھا ہے۔

حارث خورشید ' لیسٹر

لوح ایام (اپریل ۹۷) میں رفیع الدین ہاشمی نے انقلاب ایران کے دنوں کی یاد تازہ کر دی۔ مختار مسعود اب کون سی کتاب لکھ رہے ہیں؟ سرورق کے ڈیزائن تو بہت پیارے ہیں لیکن طباعت معیاری نہ ہونے سے' ان کی دل کشی ماند پڑ گئی ہے۔

سیرین انس ' صادق آباد

ترجمان القرآن کی تحریریں جتنی خوبصورت ہوتی ہیں' ظاہری پیش کش میں اس لحاظ سے کمی محسوس ہوتی ہے۔ کٹائی درست نہ ہونے کی وجہ سے مختلف صفحات پر حاشیے کا عرض مختلف ہو جاتا ہے اور نظروں کو بھدا لگتا ہے۔ سرورق پر تناسب نہ ہونے سے پہلا تاثر ہی اچھا نہیں ہوتا۔

عبدالرشید بھٹی ' کراچی

نفس کے فریب (اپریل ۹۷) میں امام غزالی کی کتاب کا نام **احیاء علوم الدین** لکھنا چاہیے نہ کہ احیاالعلوم یا احیاءعلوم الدین۔ انگریزی الفاظ جہاں ضروری ہوں' ضرور لائے جائیں لیکن جہاں مناسب اردو متبادل موجود ہوں' انگریزی سے احتراز کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

خریدار توجہ فرمائیں

تمام ادائیگیاں بذریعہ کراس چیک' ڈرافٹ یا منی آرڈر کی جائیں۔ بعض احباب لفافہ میں ڈاک میں نوٹ ارسال کر دیتے ہیں۔ یہ ممنوع ہے۔



ADARTS - HRA - 1/94


اللہ کے فضل و کرم سے
ثناءاللہ نے جو چیز بنائی بہترین بنائی
ثناءاللہ
پاکستان میں اُونی اور ایکریلک مصنوعات کا
معیار قائم کرنے والے
ثناءاللہ وولن ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
ABC
Cashmira
BLANKETS
ABC
KNITTING
YARNS
Plush Mink
BED
COVERS
AND
BLANKETS
SANAULLA
CARPET
YARNS
SANAULLA
WEAVING
YARNS
تیسری منزل، پینوراما سینٹر، فاطمہ جناح روڈ۔ کراچی۔ پاکستان۔
Phones: 516034 & 516035. Fax: 92-21-5681775.
Telex: 21699 SANA PK.

ین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

C .P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE,